مسلسل اشاعت کے چالیس سال

بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

471-72

شوال، ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ

نومبر، دسمبر 2004ء

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمد للہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک و بیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جو کہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف سوا کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیراثر حلقہ احباب و اہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کے لئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجرکم علی اللہ**۔

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: یوبی ایل اکوڑہ خٹک 7 -01 نیشنل بینک اکوڑہ خٹک 5 - 17

مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 721

Email: haqqania@nsr.pol.com.pk

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی تصدیق شدہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۔۔۔۔۔۔ 40
شمارہ نمبر ۔۔۔۔ 3-2
شوال/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
نومبر/ دسمبر ۔ سنہ ۲۰۰۴ء

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نگران
حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ

مدیر
حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: عالم اسلام کی مجموعی صورتحال کا ایک دلخراش منظر۔ فلسطینی مجاہد اور عظیم رہنما یاسر عرفاتؒ کی وفات۔ متحدہ عرب امارات کے فرماں روا اور ہردلعزیز حکمراں شیخ زاید بن سلطان آلنہیانؒ کی رحلت ...... راشد الحق سمیع ۲

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال۔ (درس ترمذی) ...... مولانا سمیع الحق مدظلہ ۷

موت ایک اٹل حقیقت ...... مولانا محمد انوار الحق صاحب ۱۴

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (حیات اور علمی وملّی خدمات کا مختصر تعارف) ...... ڈاکٹر محمد جنید ندوی ۱۶

صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ...... پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر ۳۱

فرانس اور مغرب میں حجاب کا مسئلہ کیوں اٹھا؟ ...... ڈاکٹر ظفر علی راجا ۳۶

حج اور دربار کریمی ...... مولانا الیاس نعمانی ۴۷

رسول اللہؐ سے بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھنے کی تحقیق ...... (مفتی) ابوطلحہ مختار اللہ حقانی ۴۹

روہنگیا مظلوم قوم کی حالتِ زار ...... (مکتوب بنگلہ دیش) ...... مولانا نور محمد عباس ۶۹

دارالعلوم کے شب و روز ...... شفیق الدین فاروقی ۷۰

تبصرہ کتب ...... مدیر کے قلم سے ۷۱

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر: 630435 , 630340 -(0923)
ای میل نمبر: E-Mail : haqqania@nsr.pol.com.pk

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/20 روپے سالانہ =/200 روپے، بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر

پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم راشد الحق سمیع حقانی

عالم اسلام کی مجموعی صورتحال کا ایک دلخراش منظر

موجودہ حالات میں عالم اسلام کی اُجڑی بستی پر ایک نگاہ ڈالیے تو اس کی زبوں حالی‘ خوئے غلامی‘ انتشار پر مبنی معاشرے اور اس کی مظلومیت و کسمپرسی پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے کہ چودہ سو برس میں اس پر ایسے خراب حالات کبھی بھی نہیں آئے تھے جیسا کہ موجودہ عہد میں اس کی تصویرِ پریشاں نظر آتی ہے۔ عالمی استعمار امریکہ اور بشمول دیگر تمام مذاہب و ممالک آج عالم اسلام کے زخم زخم جسم میں پنجے گاڑھے ہوئے ہیں۔ اور اس شکستہ جسم میں اب آہ و فریاد کی رَمق بھی باقی نہیں بچی۔ اور اس کے حکمران ماضی میں کبھی اتنے بے حس اور بے حمیت نہیں ہوئے تھے جیسا کہ موجودہ حالات میں یہ نظر آرہے ہیں۔ آج پوری امت سیاسی‘ معاشی اور فکری لحاظ سے اپاہج بن گئی ہے‘ اندھیروں کا راج ہے اور دور تک امید کا کوئی چراغ نظر نہیں آرہا۔ ظلمت شب میں جکڑی امت مسلمہ کراہ رہی ہے‘ اور اس کے وجود کا ایک ایک حصہ غلامی کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے‘ اس کے دماغ اور اس کی فکر پر مغربی تہذیب و ثقافت اور مغربی جمہوری نظام حکومت کا بھاری پتھر پڑا ہوا ہے اور دن بدن اور ہر لحہ انحطاط اور تنزلی کی دلدل میں اس کا کاروانِ منتشر دھنستا چلا جارہا ہے‘ الغرض کہیں سے بھی کوئی مسیحا‘ کوئی رہنما یا کسی معجزے کی امید و شنید نہیں اور دوسری جانب عالم کفر اور عالمی استعمار دن بدن متحد اور ترقی و فتح کی جانب گامزن ہیں۔ ع سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

حالیہ امریکی انتخابات اس کا واضح ثبوت ہیں جس میں متعصب اور تشدد پسند جارج ڈبلیو بُش دوبارہ چار سال کے لئے امریکی عوام کا اعتماد اور بھاری مینڈیٹ حاصل کر کے منتخب ہوگئے ہیں۔ صدر بُش کی جیت عالم اسلام کے لئے ایک کڑا امتحان اور کسی سانحہ سے کم نہیں۔ اس الیکشن میں صدر بُش کی دوبارہ کامیابی محض اس لئے ہوئی کہ مغربی معاشرہ اور خصوصاً امریکی قوم صدر بُش کو عالم اسلام کے خلاف جاری جنگ میں کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور الیکشن کا ایجنڈا یہی تھا کہ مسلمانوں اور عالم اسلام کی بچی کھچی قوت و عظمت کو مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ اس کی چشم کشا مثال یہ ہے کہ الیکشن کے دوران ایک اعلیٰ امریکی فوجی جنرل ایک چرچ میں داخل ہوا اور اس نے پادری کو حکم دیا ”کہ تم دعا مانگو کہ اس الیکشن میں ہم مسلمانوں کے خدا کو (نعوذ باللہ) شکست دیں اور عیسائیوں کا خدا اور صدر بُش جیت جائیں۔“ اس کے علاوہ ڈیموکریٹ اور ری پبلکن دونوں نے یہ بات واضح طور پر دنیا کے سامنے پیش کی کہ ہمارے درمیان بہت سے اختلافات ہیں لیکن ہم دہشت گردی (اسلام اور مسلمان) کے خلاف یکجا اور متحد ہیں۔ چاہے جو

پارٹی بھی الیکشن جیتے لیکن وہ امریکی ایجنڈے کی تکمیل اور امریکی مفادات کے حصول کے لئے کوشاں رہے گی۔ اور پوری دنیا کو علم ہے کہ اس وقت امریکی ایجنڈے کی تکمیل اور اس کے مفادات کیا ہیں؟

جن لوگوں کو امید تھی کہ ہوسکتا ہے کہ اس بار امریکی عوام صدر بُش اور اس کی ظالمانہ پالیسیوں کے خلاف ووٹ دیں اور متعصب وانتہا پسند صدر سے چھٹکارا حاصل کریں لیکن یہ سب وہم وخیال ثابت ہوا' کیونکہ امریکی میڈیا اور اس کے تھنک ٹینکس اور امریکی حکومت نے پوری قوم کو مذہبی انتہا پسندی کی طرف دھکیل دیا ہے اور امریکی الیکشن میں پہلی مرتبہ مذہب کو استعمال کیا گیا اور چونکہ صدر بُش کے بقول ہم صلیبی جنگوں کا تسلسل چاہتے ہیں اور ساری دنیا کو علم ہے کہ صلیبی جنگوں کا شکار اور مدِ مقابل عالم اسلام ہی تھا۔ عراق' فلسطین' افغانستان اور جنوبی وزیرستان کے حالات ہمارے سامنے ہیں۔ الیکشن میں کامیابی کے فوراً بعد امریکی افواج نے 'فلوجہ' شہر میں جشن فتح منایا اور نہتے مسلمان شہریوں کے خون سے خوب ہولی کھیلی۔ رمضان المبارک جیسے مقدس مہینے میں پورے شہر کے ساتھ ایسا سلوک برتا گیا کہ ماضی کے چنگیز خان اور ہلاکو خان کی افواج نے بھی عراق کے شہروں میں ایسی بربریت کا مظاہرہ نہ کیا ہوگا۔ سارے شہر کا محاصرہ کیا گیا' پانی بند کر دیا گیا' اور کئی دن تک ہولناک بمباری کا سلسلہ جاری رہا۔ آسمان سے آہن و بارود کا سیلاب بلا تھا اور دوسری جانب زمین پر بے چارے بے کس مسلمانوں کے سر تھے۔ عید کے دنوں میں ان کے ہاں قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ سردی کے یخ موسم میں ان کے چولہے ٹھنڈے اور ویراں تھے' بچوں کو نئے کپڑوں کی جگہ پہننے کو کفن ملے۔ ماؤں کی گود میں نوجوان بیٹوں کے سر پڑے ہوئے تھے' مسجدوں میں زخمی بوڑھوں کو بھی گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا' الغرض سرزمین عراق پر ایک اور کربلا سجی تھی اور دوسری جانب عالم اسلام عید کی خوشیوں میں نہال ہو رہا تھا۔ اور ہر گھر میں گھی اور خوشیوں کے چراغ جل رہے تھے اور مبارکبادیں وصول کی جارہی تھیں۔ ایسی بے حسی اور بے کسی شاید ہی چشم فلک نے پہلے کبھی دیکھی ہو اس قیامت صغریٰ پر عالم اسلام کے کسی حکمران کی آنکھیں نہ تر ہوئیں اور نہ ہی کسی بت نما حکمرانوں کے لب احتجاج کے لئے ہلے۔ شاید عالم اسلام اور اس کی قیادت ملبے اور راکھ کا ڈھیر بن گئے ہیں۔ اور راکھ اور ملبے سے کبھی کسی احتجاج یا کسی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی پھر ابھی فلوجہ کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ امن کے ''پیامبروں'' یعنی بدھ مت کے پیروکاروں اور تھائی حکومت نے بھی مسلمانوں پر ہلہ بول دیا کیونکہ مسلمان اس وقت حدیث نبویؐ کے مطابق دسترخوان پر سجی نعمت کی طرح ہیں اور ہر جانب سے ان پر تابڑ توڑ حملے کئے جارہے ہیں۔ شاید مسلمان انسان نہیں بلکہ خوانِ یغما ہیں۔ اور ہر کوئی اسے لقمہ تر سمجھ کر نگل رہا ہے۔ اس وقت خطہ ارض پر سب سے بے وقعت اور سستا خون خونِ مسلم ہے' جس کی کوئی قدر و قیمت اور مقام و منزلت دنیا کے بازاروں اور عدل کے میزانوں میں نہیں۔ رمضان کا دوسرا عشرہ تھا تھائی لینڈ کے 'وٹ' صوبے کے 'ٹک بے' شہر کو بھی فلوجہ کی طرح بھٹی بنا دیا گیا۔ اور ہزاروں نہتے احتجاج کرنے والے مسلمانوں پر فوج اور پولیس نے ایسا حملہ اور برتاؤ کیا کہ

جیسے یہ دشمن قوم کی افواج ہوں، حالانکہ یہ بھی نہتے تھائی تھے اور وہ اپنے ہم وطن مسلمان بھائیوں کی بے گناہ گرفتاری پر احتجاج کر رہے تھے۔ لیکن ان کا جرم ضعیفی یہ تھا کہ ان کا تعلق اسلام سے تھا۔ سینکڑوں مسلمانوں کو گرفتار کرنے کے بعد نیم برہنہ کر کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کنٹینروں میں بند کر دیا گیا اور پھر ان پر آنسو گیس بھی پھینکی گئی۔ اس بربریت کے نتیجے میں سینکڑوں کی تعداد میں مسلمان دم گھٹنے اور تشدد سے راستے ہی میں شہید ہو گئے۔ یہ دلخراش واقعہ بھی ماضی کے خونی واقعات کا ایک تسلسل ہے جو تھائی حکومت برسوں سے اور خصوصاً گیارہ ستمبر کے بعد وقفے وقفے سے مسلمانوں کے خلاف کر رہی ہے۔ ابھی حال ہی میں چند ماہ پہلے ایک سو دس کے قریب مسلمانوں کو بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب کے بار تو پہلے سے بھی زیادہ بازوئے قاتل نے عالم اسلام کے فرزندوں کو چُن چُن کے قتل کیا۔ کہ ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ یہ حادثہ فاجعہ بھی عالم اسلام کی یخ بستہ رگوں میں غیرت وحمیت کا جذبہ نہ ابھار سکا۔ اور نا ہی کسی حکومت نے اس ظلم پر باضابطہ احتجاج کیا اور نا ہی کسی جانب سے ان مظالم پر کوئی بڑا مظاہرہ ہوا۔ اگر چہ معمولی مذمت چند حکومتوں اور لوگوں نے کی اور زیادہ سے زیادہ تکلف ان کے لئے دعائے مغفرت کا کیا گیا۔ اور بس!!

ایسا لگتا ہے کہ شاید مسلمان حشر میں اب صورِ اسرافیل سے بھی جاگنے کی تکلیف گوارا نہیں کریں گے؟ باقی تازیانوں یا حادثات زمانہ ان کو کہاں خواب غفلت سے جگا سکتے ہیں؟ اسی طرح افغانستان میں بے گناہ طالبان اور مجاہدین کا صفایا بھی کیا جا رہا ہے اور آئے دن بے گناہ افغانیوں کو طالبان کا حامی قرار دے کر موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔ امریکی فوجی مسلمان بہنوں کی جگہ جگہ عصمت دری کر رہے ہیں، کوئی ان کا پُرسان حال اور مددگار نہیں۔ پورا افغانستان ابوغریب جیل کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ جس میں انسانیت کو ننگا کر کے اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں کٹھ پتلی صدر حامد کرزئی جس کو دوبارہ زبردستی افغان عوام پر مسلط کر دیا گیا ہے، حالانکہ خود شمالی اتحاد اور دیگر امریکی حامی جماعتوں نے بھی الیکشن میں ریکارڈ دھاندلی پر شدید احتجاج کیا ہے، لیکن امریکہ نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے اسے درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ افغانستان کے مقدر میں ابھی مزید زخم اور درد باقی ہیں۔ ابھی افغانیوں پر مزید شبِ غلامی حکمرانی کرے گی، حالات بتا رہے ہیں کہ ان پر ابھی نئے کوہِ غم ٹوٹیں گے۔ کیونکہ عالم اسلام اور پاکستان نے افغانستان کو امریکہ اور عالم کفر کے آگے تنہا پھینک دیا ہے۔ معلوم نہیں کہ نرگس مزید کتنے برس اپنی بے نوری پر روئے گی۔ اور خدا جانے کہ اب اس کی قسمت میں کوئی ''دیدہ ور'' باقی بھی بچا ہے یا نہیں۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں امت مسلمہ کی غلامی سے آزادی علمی واقتصادی ترقی اور اس کی نشاۃِ ثانیہ کا خواب دن بدن دھندلایا جا رہا ہے۔

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

فلسطینی مجاہد اور عظیم رہنما یاسر عرفاتؒ کی وفات

گزشتہ ماہ 11 نومبر کو فلسطینی تحریک آزادی کے عظیم قائد اور جدوجہد آزادئ القدس کا وہ زرّیں اور روشن باب بھی ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا جس نے گزشتہ پچاس برس سے زائد عالم اسلام کے مقدس شہر القدس و سرزمین فلسطین کی پنجہ یہود سے آزادی کے لئے آخری دم تک لازوال جدوجہد کی۔ لیکن واحسرتا کہ آزادی کا سورج انہیں دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ یاسر عرفاتؒ اور فلسطین دو ایسے نام تھے جو ایک دوسرے سے لازم و ملزوم تھے۔ اقوام عالم کی آزادی کی تمام تحریکات میں یاسر عرفاتؒ کی طرح طویل اور صبر آزما جدوجہد شاید ہی کسی دوسرے لیڈر کے حصے میں آئی ہو۔ اگرچہ آپ آخر میں انسانی فطرت کے مطابق مایوس بھی ہوگئے تھے اور درمیان میں آپ نے کئی کمزور معاہدے بھی مجبوراً یا مصلحتاً کیے کہ شاید اس کے ذریعے آزادی کی منزل کچھ قریب ہو جائے لیکن اس باب میں آپ کو کچھ خاطر خواہ کامیابی نہ ملی اور آپ سے ایک اچھی خاصی تعداد ناراض بھی ہوئی' اس میں ماہنامہ ''الحق'' بھی شامل ہے' جنہوں نے آپ کی ان پالیسیوں کی مخالفت کی اور آپ پر تنقید کی جو آگے چل کر صحیح ثابت ہوئی۔ لیکن ایک سیاسی لیڈر بھی آخر انسان ہوتا ہے اور اس کی زندگی میں کئی مد وجزر اور انقلابات رونما ہوتے رہتے ہیں اور اسی باعث ان سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ سے بھی کئی غلطیاں ہوئیں۔ لیکن آخر تک آپ کی ہردلعزیزی اور باکمال شخصیت کے وقار میں کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوئی۔

یاسر عرفاتؒ کی شخصیت اور ان کی طویل ترین آزادی کی جدوجہد کو ہم بھرپور خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ یاسر عرفاتؒ کے انتقال کے بعد فلسطینی اور عالم عرب اپنے ایک بہت ہی بڑے' قدآور اور عظیم رہنما سے محروم ہوگئے ہیں۔ یاسر عرفات بے سہارا فلسطینیوں کے لئے شجرہ سایہ دار تھے۔ اندھیروں کے سفر میں روشنی کے مینار تھے اور ظالم یہودیوں کی شاطرانہ چالوں کے لئے ایک ڈھال۔ افسوس!! کہ وہ بھی دامِ اجل کا شکار ہوگئے۔

عرفاتؒ نے زندگی کا اکثر حصہ جلاوطنی میں گزارا اور زندگی کے آخری سال بھی قید و بند اور محاصرے میں بسر کیئے۔ عمر بھر آپ پر درجنوں قاتلانہ حملے بھی ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ آپکے جہاز بھی ہوا میں کرش ہوئے لیکن ہر بار قدرت نے آپکو فلسطینی کاذ کو بڑھانے کیلئے زندہ رکھا۔ آپ نے اپنی قوم کیلئے اتنی طویل تکلیف دہ اور صبر آزما جدوجہد کی ہے کہ آنے والی نسلیں اور آزادی کیلئے جنگ لڑنے والے آپکے کارناموں سے روشنیاں اور ہمت حاصل کرتے رہینگے۔

یاسر عرفاتؒ نے ہی سب سے پہلے فلسطینی مسئلے کو عالمی سطح پر اجاگر کیا' اور ایک مجاہد اور ایک کامیاب سیاستدان اور ایک بڑے لیڈر کی صورت میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا دنیا سے منوایا۔ آپ نے محاذ جنگ سے لے کر اقوام متحدہ اور دیگر تمام عالمی فورمز پر فلسطینیوں کا مقدمہ کامیابی سے لڑا۔ آپ فلسطین کی جدوجہد آزادی میں کبھی نہیں تھکے لیکن افسوس کہ زندگی کی جدوجہد میں آپ آخر کار تھک گئے (یا زہر دے کر شہید کر دیئے گئے) اور پیرس کے ایک

ہسپتال میں کئی دن موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر اور منتظر آنکھوں میں فلسطین کی آزادی کا خواب اور القدس میں دفن ہونے کی آرزو اور حسرت ناتمام لے کر رمضان المبارک کے آخری عشرے جمعۃ الوداع اور آزادی القدس کے دن خلدِ بریں کے سفر پر روانہ ہوگئے۔

تھک تھک کے ہر مقام پر دو چار رہ گئے　　تیرا پتہ نہ پائیں تو لاچار کیا کریں؟

بھلا ہو مصر کا کہ جس نے ایک غریب الدیار' بے وطن مسافر کی نماز جنازہ کا شاہانہ انتظام کیا۔ ورنہ عالم اسلام کے حکمران کیسے اس کی نماز جنازہ میں اسرائیلی زیر تسلط علاقوں میں جا کر شرکت کر سکتے تھے؟ نماز جنازہ کے والہانہ اور جذباتی مناظر نے ہر آنکھ کو عرفاتؒ کی عظمت میں اشکبار کیا۔ اور پورے عالم اسلام کے ہاتھ اس فرزند اسلام کی مغفرت کے لئے بلند ہوئے۔ حرمین شریفین میں جمعۃ الوداع کے بعد غائبانہ جنازہ پڑھا گیا۔ افسوس! صد افسوس! کہ عظیم فلسطینی مجاہد شیخ احمد یاسینؒ عبدالعزیز رنتیسیؒ اور آخر میں یاسر عرفاتؒ یعنی آزادی کی تمام شمعیں ایک ایک کر کے گُل ہوگئیں۔ معلوم نہیں کہ القدس اور فلسطین کی آزادی کیلئے ابھی اور کتنی معصوم شمعیں گُل ہونا باقی ہیں؟ اور خدا جانے کہ قبلہ اول کب پنجہ یہود سے آزاد ہوگا؟

کب نظر آجائے گی بے داغ سبزے کی بہار　　خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد؟

متحدہ عرب امارات کے فرماں روا اور ہر دلعزیز حکمران شیخ زائد بن سلطان آلنہیانؒ کی رحلت

بادشاہوں کے بھی کشتِ عمر کا حاصل ہے گور　　جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

رمضان المبارک میں متحدہ عرب امارات کے حکمران' عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان کے دیرینہ بہی خواہ کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم رہنما کئی خوبیوں اور صفات سے متصف انسان تھے۔ آپ کی ذات عالم اسلام کی جانی پہچانی اور ایک معروف شخصیت تھی۔ آپ نے یوں تو سارے عالم اسلام میں سب سے زیادہ فلاحی ورفاحی خدمات سرانجام دیں۔ لیکن خصوصاً پاکستان میں' آپ نے بہت زیادہ رفاہی وفلاحی خدمات سرانجام دیں۔ تقریباً ہر بڑے شہر میں آپ کی تاریخی یادگاریں موجود ہیں' جگہ جگہ آپ نے ہسپتال' سکول' فلاحی مراکز' ایئرپورٹس اور خصوصاً بڑی یونیورسٹیوں میں شیخ زاید سنٹر قائم کئے۔ جو آپ کی انسان دوستی اور علم پروری کا بیّن ثبوت ہیں۔ اور آپ نے اپنے ملک متحدہ عرب امارات کو بھی اتنی بے مثال ترقی دی ہے کہ اب متحدہ عرب امارات کا شمار دنیا کے متمول اور خوبصورت وترقی یافتہ ملکوں میں ہوتا ہے۔ ادارہ آپ کے پسماندگان اور حکومتی ارکان ومشائخ سے دلی تعزیت کرتا ہے۔ ادارہ مرحوم کے رفع درجات کیلئے قارئین سے بھی اپیل کرتا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ

درس ترمذی شریف

افادات: حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ

ضبط وترتیب : مولانا مفتی عبدالمنعم حقانی

معاون مفتی دارالافتاء جامعہ حقانیہ

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال

جامع امام ترمذی کے ابواب البر والصلۃ کے درسی افادات

باب ماجاء فی مواساة الأخ

بھائی کے ساتھ غمخواری کا بیان

حدثنا احمد بن منیع ثنا اسماعیل بن ابراھیم ثنا حمید عن انس قال لما قدم عبدالرحمن بن عوف المدینة آخی رسول الله ﷺ بینه و بین سعد بن الربیع: فقال له: هلم أقا سمک مالی نصفین ولی امرتان فأطلق احد اهما فاذا نقضت عدتها فتزوجها فقال بارک الله لک فی اهلک وما لک۔ دلونی علی السوق۔ فدلوه علی السوق فمارجع یومئذ الا ومعه شئی من أقط و سمن قد استفضله۔ فرء اه رسول الله ﷺ بعد ذلک وعلیه وضر صفرة فقال مهیم فقال تزوجت امرأة من الانصار قال فما أصدقتها؟ قال: نواةً! قال حمید أو قال وزن نواة من ذهب، فقال أولم ولو بشاة۔

هذا حدیث حسن صحیح۔

وقال احمد بن حنبل وزن نواة من ذهب وزن ثلاثة دراهم وثلث۔ وقال اسحق: وزن نواة من ذهب وزن خمسة دراهم۔ اخبرنی بذلک اسحق بن منصور عن احمد بن حنبل و اسحاق۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (ہجرت کے بعد) مدینہ تشریف لائے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے آپ اور حضرت سعد بن الربیع (انصاریؓ) کے درمیان عقد مواخاۃ قائم کرلیا۔ تو حضرت سعد بن الربیعؓ نے ان سے کہا کہ آؤ میں آپ کے ساتھ اپنا مال برابر تقسیم کر کے آدھا مال تم کو دیتا ہوں، اور میری دو بیویاں ہیں۔ پس میں ان دونوں میں سے ایک کو طلاق دے دوں گا پھر جب اسکی عدت گزر جائے تو اس کے ساتھ نکاح کرلو۔ تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کو (دعا دیتے ہوئے) کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے مال اور اہل میں

آپ کے لئے برکت ڈال دے، مجھے بازار کا راستہ دکھلا دے۔ تو انہوں نے آپ کو بازار کا راستہ بتلا دیا۔ پس اسی دن ہی جب بازار سے واپس ہوئے تو اپنے ساتھ کچھ پنیر اور گھی بھی لائے جو کہ انہوں نے کمایا تھا۔

پھر اس کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ آپ کو دیکھا کہ ان پر زرد رنگ کی خوشبو کا اثر تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ میں نے انصار کی ایک عورت کے ساتھ نکاح کر لیا ہے (یعنی یہ زردی، شادی کی رنگدار خوشبو سے مجھے لگی ہوئی ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اسکو مہر میں کیا کچھ دے دیا ہے؟ تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا ایک نواۃ (نواۃ کھجور کی گٹھلی کو کہا جاتا ہے)۔ حمید کہتے ہیں کہ یا اس طرح کہا کہ: نواۃ کے وزن کے برابر سونا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولیمہ کا انتظام کرو، خواہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے کہ نواۃ کے وزن کے برابر سونا، تین دراہم اور ایک درہم کی ایک تہائی، (یعنی ۳ ۱/۲ درہم) کا وزن ہے اور اسحٰق نے کہا ہے کہ نواۃ کے وزن کے برابر سونا پانچ دراہم کا وزن ہے، مجھے اس کی روایت اسحاق بن منصور نے احمد بن حنبل اور اسحٰق سے کی ہے۔

حدیث کی توضیح وتشریح:

مواساۃ: غمخوارگی، یعنی اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ اس کے غم درد میں شریک ہونا اپنے آپ کو محتاج چھوڑ کر اپنے بھائی کی حاجتوں کو پوری کرنا اور اپنی ضرورتوں پر اس کی ضرورت کو ترجیح دینا۔

أخي رسول الله صلى الله عليه وسلم بينه وبين سعد بن الربيع الخ

رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن الربیعؓ کے درمیان عقد مواخاۃ کرایا اور بھائی چارہ قائم کر دیا۔ مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین چونکہ بے سروسامانی کی حالت میں گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر چکے تھے مال وجائیداد بیوی بچے اور دنیوی عیش وآرام کی چیزوں کو خیر آباد کہہ کر زندگی کی سہولیات سے بظاہر محروم ہو چکے تھے اور دوسری طرف انصار مدینہ نے پورے خلوص، وفاداری اور جذبہ محبت سے ان کی میزبانی کی ذمہ داری کو قبول کر لیا تھا اور ان کی تمام ضروریات کو پوری کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے یہ معاشرتی، سماجی اور سیاسی اقدام کیا کہ ایک ایک مہاجر صحابی کا ایک ایک انصاری سے عقد مؤاخاۃ قائم کر لیا کہ دونوں کے درمیان برادری اور بھائی چارہ ہوگا۔ اس طریقے سے مہاجرین کی غیر مانوسی کا بھی ایک حد تک ازالہ ہوگیا۔ اور ان کی کفالت کا بھی اچھا انتظام ہوا اور انصار کے لئے بھی ان کی خبر گیری اور ان کی ضروریات پوری کرنے میں آسانی ہوئی۔ اور مہاجرین وانصار دو علیحدہ فریق ہونے کے تصور اور ان کے باہمی دوری کا بھی خاتمہ ہوا۔ اس طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک پُرامن خوشگوار اور مثالی معاشرہ کی تشکیل دی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ان کے انصاری بھائی سعد بن الربیعؓ نے کہا کہ آؤ میں تمہارے ساتھ اپنا

مال برابر تقسیم کر کے آدھا مال تم کو دے دوں اور میری دو بیویاں ہیں ایک کو طلاق دوں گا اور جب اسکی عدت گزر جائے تو اس کے ساتھ تم نکاح کر دو۔ یہ تو انصاری کی قربانی اور ایثار کا جذبہ تھا۔ لیکن مہاجرین صحابہ بھی غیرت مند تھے وہ ایسا کب پسند کرتے تھے؟ وہ ایسے نہ تھے جیسا کہ پشتو میں کہاوت ہے۔

چہ یو گیرہ ورکڑی نو بل ئے دہ مونڈہ اوباسی "یعنی ایک نے داڑھی پکڑا دی تو دوسرے نے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سلیم الطبع' باہمت اور غیرت مند نوجوان تھے' اپنے بھائی کے اس خلوص بھری پیش کش پر انہیں دعا دی کہ اللہ آپ کے مال اور اھل میں آپ کے لئے برکت دے۔ میں جوان ہوں 'محنت مزدوری کر سکتا ہوں۔ مجھے بازار کا راستہ بتلا دے تا کہ محنت مزدوری کر کے کما کر کھاؤں۔

جیسا کہ افغان قوم بھی ایک مثالی قوم ہے جو کہ ہجرت کر کے پردیسی اور بے سروسامانی میں بھی کسی سے سوال نہیں کرتی۔ بلکہ ہمت کے ساتھ محنت مزدوری کر کے کما کر کھاتی ہے۔ اگر ان کی جگہ کوئی دوسری قوم ہوتی تو گلی کوچوں میں پھر کر لوگوں سے سوال کرتی' جیسا کہ ہم بچے تھے کہ روس میں انقلاب آیا تھا تو سمرقند اور بخارا وغیرہ کے لوگ اس طرح گلی کوچوں میں پھرا کرتے تھے اور سوال کرتے تھے اور ان کی عورتیں بھی گھروں میں جا کر پیسے دانے وغیرہ مانگا کرتی تھیں۔ اسی طرح ہم نے فلسطینیوں کو بھی دیکھا کہ تیس چالیس سال دربدر پھرا کرتے تھے۔ اور دنیا کی کوئی جگہ ان سے خالی نہیں تھی۔

ایک فلسطینی جو کہ ''حماس'' تحریک کے سرکردہ رکن تھے' اور ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ وہ ہنسی مذاق کے طور پر کہا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں فلسطینی نہیں پہنچے ہوں۔ یہاں تک جب انسان چاند پر گیا تو وہاں ایک غار میں کچھ آدمی دیکھے لئے تو خلابازوں نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم فلسطینی ہیں۔ یعنی فلسطینی بھی ہر جگہ پہنچ چکے تھے۔ اور اس طرح ان کے بھی اکثر لوگ سوال کرتے تھے۔ اکثر افغانیوں میں بھی غیرت او رجرأت کی وہ صفات موجود ہیں۔

وضر صفرة: زرد رنگ کا اثر:

یہ زرد رنگ' اس قسم کے رنگ والی خوشبو کا تھا۔ جو کہ زعفران وغیرہ سے بنائی جاتی ہے اور مرد کے لئے رنگ والی خوشبو لگانا درست نہیں۔ اور عورت کے لئے درست ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر یہ زرد رنگ اس کی بیوی کی لگائی ہوئی خوشبو سے لگا ہوا تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ کو چونکہ واقعہ کا علم نہ تھا اس وجہ سے حالت پوچھی اور فرمایا مھیم یہ کلمہ استفہام کا ہے اور مبنی بر سکون ہے' اور اس کا معنی ہے "ماھذا" یعنی یہ کیا ہے؟ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسکے مہر کے متعلق دریافت فرمایا کہ تم نے اس کو مہر میں کیا دے دیا ہے؟ تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا ''نواۃ''۔

قال حمید أو قال: وزن نواۃ من ذھب:

راوی حدیث حضرت حمید کہتے ہیں کہ یا ایسا کہا ہے کہ نواۃ کے وزن کے برابر سونا۔ یعنی اس میں حمید کو شک ہے کہ حضرت انسؓ نے روایت اس طرح کی ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ نے نواۃ یعنی کھجور کی گٹھلی کہا ہے۔ یا وزن نواۃ من ذھب۔ یعنی نواۃ کے وزن کے برابر سونا کہا ہے۔

أولم ولو بشاۃ:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ولیمہ کرو اگر چہ ایک بکری سے ہو۔ پس شادی کے بعد تکلفات کے بغیر حسب استطاعت ولیمہ کی دعوت کرنا مسنون ہے۔

لفظ ''نواۃ'' کی تحقیق:

نواۃ لغت عربی میں کھجور کی گٹھلی کو کہا جاتا ہے۔ لیکن اصطلاح میں یہ لفظ وزن کی ایک خاص مقدار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس مقدار کے تعین میں فقہا کرام ومحدثین کا اختلاف ہے۔ امام ترمذیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک وزن نواۃ کے برابر سونا' (۳ ۱/۳) دراہم کے وزن کے برابر ہے۔ اور امام اسحٰق کا قول یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ مقدار پانچ دراہم کے وزن کے برابر ہے۔

پھر بعض محدثین کے نزدیک وزن نواۃ سے مراد اتنا سونا ہے کہ جس کی قیمت پانچ دراہم کے برابر ہو۔ اور اس کے مطابق ایک روایت بیہقی میں حضرت قتادہ سے مروی ہے اور بعض کے نزدیک اتنا سونا مراد ہے جس کا وزن پانچ دراہم کے برابر ہو۔

اور بیہقی کی ایک روایت میں اس کی قیمت ۳ ۱/۳ دراہم کے برابر مروی ہے۔ اور اس روایت کی سند میں ضعف ہے لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے اس پر جزم کیا ہے اور بعض مالکیہ سے منقول ہے کہ ''نواۃ'' اہل مدینہ کے نزدیک (۱/۴) یعنی ربع دینار کو کہا جاتا ہے۔ اور اس کے مطابق ایک روایت طبرانی نے حضرت انسؓ سے نقل کی ہے۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک بھی نواۃ پانچ دراہم کے برابر ہے اور امام ابوعبید نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے پانچ دراہم دیئے تھے۔ اور پانچ دراہم کو ''نواۃ'' کہا جاتا ہے جیسا کہ چالیس دراہم کو ''اوقیہ'' کہا جاتا ہے۔ (از تحفۃ الاحوذی)

باب ماجاء فی الغیبة

غیبت کا بیان

حدثنا قتیبة ثنا عبدالعزیز بن محمد عن العلاء بن عبدالرحمن عن أبیه عن أبی هریرة قال: قیل یا رسول الله ما الغیبة؟ قال ذکرک أخاک بما یکره قال أرأیت

ان كان فيه ما أقول ؟ قال: ان كان فيه ماتقول فقد اغتبته، وإن لم يكن فيه ماتقول فقد بهته ...... وفي الباب عن ابي برزة وابن عمر وعبدالله بن عمرو...... هذا حديث حسن صحيح.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! غیبت کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: (اے ہر مخاطب) تیرا اپنے بھائی کو اس طریقہ سے یاد کرنا (غیبت ہے) جس کو وہ برا جانتا ہو (اگر اس کو اس کی اطلاع ہو جائے۔) تو اس (سائل) نے کہا کہ (اے اللہ کے رسول ﷺ) اگر چہ اس بھائی میں وہ عیب موجود ہو جسے میں بتا تا ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اس میں وہ عیب موجود ہو جو تُو بتا تا ہو تو تم نے اس کی غیبت کی۔ اور اگر اس میں وہ عیب موجود نہ ہو جو تُو بتا تا ہو تو پھر تو نے اس پر بہتان لگایا۔

اور اس باب میں حضرت ابو ہریرۃؓ ابن عمر اور عبداللہ بن عمروؓ سے روایات ہوئی ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح وتشریح:

براور صلہ کے ابواب میں دوستوں، رشتہ داروں، اور عام مسلمانوں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا ذکر ہوا۔ اور جو چیز مسلمان کے لئے ایذاء اور اس کی تذلیل ہو ایسی تمام چیزوں کی ممانعت بیان ہو رہی ہے۔ اور مسلمان کی ایذاء، تذلیل کے سلسلے میں ایک بڑی چیز غیبت ہے، پس اس باب میں غیبت کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔

غیبة وزن فعلة ہے اور افتعال کے معنی میں آتا ہے یعنی غیبت بمعنی اغتیاب ہے۔ اغتاب الرجل الرجل: ایک آدمی نے دوسرے کی غیبت کی اور غیبت کا معنی خود حدیث میں مذکور ہے۔ یعنی کسی آدمی کی غیر موجودگی میں اس کا کوئی ایسا وصف اور عیب ظاہر کرنا جس کا اگر اس کو اطلاع ہو جائے تو وہ خفا ہوگا۔ پھر یہ عیب ظاہر کرنا عام ہے چاہے وہ اس کے جسم میں ہو یا اس کے کپڑوں میں۔ اس کے دین سے متعلق ہو یا اس کے دنیوی معاملات سے، اس کے چال چلن سے متعلق ہو یا اس کے اخلاق سے، اس کے مال سے متعلق ہو یا اس کی بیوی سے متعلق۔ اس کے بچوں کے بارے میں ہو یا اس کے ماں باپ کے بارے میں۔

اور پھر یہ بھی عام ہے کہ تو نے اس عیب کا اظہار زبان کے الفاظ کے ساتھ کیا ہو یا تحریر کے ساتھ۔ ہاتھ، پاؤں کے اشارے سے کیا ہو سر اور آنکھوں کے اشارے سے۔ حاصل یہ جس طریقے سے بھی تو نے کسی اور کو کسی مسلمان کا عیب سمجھا دیا تو یہ غیبت ہے۔ اور بڑا جرم ہے گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت کو منع فرمایا اور اس کی مذمت کو مثال سے اس طرح واضح فرمایا ہے أيحب احدكم ان ياكل لحم أخيه ميتاً فكرهتموه.

یعنی غیبت کرنے کو اپنے مسلمان بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ حلال جانوروں کے گوشت

کے بعض اقسام سے بھی بعض لوگ طبعی طور پر نفرت کرتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ فارمی مرغی کا گوشت نہیں کھاتے۔ اور حرام جانوروں مثلاً کتے، بلی، لومڑی وغیرہ کا گوشت تو مسلمان بالکل نہیں کھاتا بلکہ اس سے نفرت کرتا ہے۔ پھر حرام میں بھی جب وہ گوشت انسان کا ہو اگرچہ کافر یہودی اور نصرانی ہو لیکن ہم جنس ہونے کی وجہ سے انسان کے گوشت کھانے کو فطرت سلیم گھناؤنا سمجھتی ہے۔ اور انسانوں میں بھی جب مسلمان ہو اور پھر بھائی ہو تو ہم مذہب اور ہم نسب ہونے اور قرابت کی وجہ سے وہ زیادہ قابل رحم اور اسکا گوشت کھانا زیادہ قابل نفرت ہوتا ہے۔ پھر اگر زندہ ہو اور اپنا دفاع کرسکتا ہو اور مقابلہ کرسکتا ہو تو ایسی حالت میں غصہ وغیرہ وجوہات کی بناء پر اس کا گوشت کھانا دور کی کچھ معقولیت رکھتا ہے اگرچہ یہ بھی درندگی کی ایک بدترین مثال ہے۔ لیکن جب کہ وہ بھائی مرا ہوا پڑا ہے کہ نہ تو وہ مقابلہ کرسکتا ہے اور نہ اپنا دفاع کرسکتا ہے تو ایسی حالت میں اس مسلمان بھائی کے گوشت کو کاٹ کاٹ کر کھانا اس سے بڑھ کر ظلم، بے رحمی، سنگدلی، درندگی اور گھناؤنا کردار کیا ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان اس قسم کی شنیع حرکت کو گوارا نہیں کرسکتا۔ پس بعینہ اس طرح غیبت کو بھی سمجھ لینا چاہیے، یعنی لوگ غیبت کو معمولی چیز سمجھتے ہیں اور لا ابالی طور پر یہ گناہ کرگزرتے ہیں تو آیت کریمہ میں اسکی قباحت کو مثال کے ساتھ بیان کرکے واضح کردیا گیا ہے۔ کہ اس کو معمولی چیز نہ سمجھے بلکہ یہ اتنا قبیح عمل ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کی لاش سے گوشت کاٹ کاٹ کر کھاتا ہو۔ مردہ کو کسی کام کا پتہ نہیں ہوتا، یہ ظلم و بربریت سے بے خبر ہے، اسی طرح کسی کی غیبت اس کی غیر موجودگی میں کی جاتی ہے اور وہ مغتاب مردے کی طرح لاعلم ہوتا ہے۔

یقیناً اس آیت کریمہ میں غیبت کی برائی اور قباحت کو پورے مبالغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن بعض علماء اور طلباء حضرات کی بھی اس کے بغیر روٹی ہضم نہیں ہوتی۔ وہ مولوی صاحب اور وہ طالب علم یقیناً بڑے ولی اللہ ہوں گے جو غیبت کے گناہ سے بچ سکے۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے بعض سوانح:

ایک حضرت مولانا صاحبؒ والد محترم (شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہ) تھے جو کبھی بھی کسی کی برائی کو بیان نہ کرتے تھے۔ یہاں اکوڑہ خٹک میں ابتداء میں بہت سے لوگ ان کے مخالف تھے۔ اور بعض بدعتی لوگ اور پیران ایسے تھے جو کہ اس دارالعلوم کو بھی یہاں برداشت نہ کرتے تھے۔ اور مخالفت میں بہت کچھ پروپیگنڈے کرتے تھے لیکن مولانا صاحب مثبت انداز میں اپنا کام کرتے تھے۔ اور کسی کو بھی برا نہ کہتے تھے۔ وما یلقھا الا الذین صبروا وما یلقھا الاذو حظ عظیم۔

یہ خصلت نہیں مل جاتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ نہیں مل جاتی مگر اس کو جو بڑا ہی نصیب والا ہو۔
تین چار مرتبہ ہم الیکشن لڑ چکے ہیں۔ بڑی بڑی باطل طاقتوں کے ساتھ مقابلے ہوچکے ہیں۔ نیشنل اور پیپلز

وغیرہ جماعتیں ہمارے خلاف متحد ہو جاتیں ظاہر شاہ کے زمانے میں افغانستان کی تمام قوتیں اور سرحد کے عبدالغفار خان باچا نے متحد ہو کر ۷۰ء میں اجمل خٹک صاحب کو مولاناؒ کے خلاف کھڑا کر دیا۔ اور الیکشن عام طور پر اپنے مقابل کی برائی بیان کئے بغیر نہیں لڑی جا سکتی۔ کیونکہ جب اپنے حریف کو لوگوں کی نظر میں نااہل اور غیر معتمد ثابت نہ کرو گے تو جیت کس طرح حاصل کر سکو گے، لیکن حضرت مولانا صاحبؒ الیکشن کے موقعوں پر بھی کسی کے خلاف ایک جملہ بھی نہ کہتے تھے، اور ۷۷ء کے آخری الیکشن میں نصر اللہ خٹک جو کہ اس وقت سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے اور بھٹو صاحب وزیر اعظم تھے، حکومت ساری ان کی تھی۔ اس حالت میں نصیر اللہ خٹک نے حضرت مولانا صاحبؒ کے خلاف جعلی کاغذات داخل کرا دیئے کہ مولانا صاحب بیٹھ گئے ہیں وہ الیکشن نہیں لڑتے۔ اس پر پھر ہم نے مقدمہ چلایا اور بڑی بڑی تکالیف برداشت کیں آخری فیصلہ ہمارے حق میں ہوا۔

تو ایک مرتبہ نصر اللہ خٹک کے متعلق کسی نے ذکر کیا تو مولانا صاحب نے فرمایا: اللہ تعالیٰ انہیں بھی پاس کرے۔ لوگ ہنستے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ بھی پاس ہوں اور وہ بھی پاس ہو۔ لیکن مولانا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کو بددعا نہ دو۔ اور نہ کسی کو مردہ باد کہو۔ باہر میدان میں چونکہ میں لڑتا تھا اس وجہ سے اگر ہم کسی کے پیچھے کچھ کہہ دیتے تو بھی مولانا صاحبؒ منع کیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ بس مثبت انداز میں اپنا کام کرو۔ اوروں کو برا مت کہو۔ لیکن لوگوں نے حالات بہت خراب کر رکھے تھے۔ عورتوں کو تیار کیا تھا ان ظالموں نے جعلی ووٹ ڈالنے کے لئے، بہت سی عورتیں برقعوں میں آئی تھیں۔ پھر بھی ہم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔

نصر اللہ خان خٹک بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مولانا صاحب کے سامنے زبان نہیں کھول سکتے۔ انکو یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ حضرت کے کردار پر کوئی انگلی اٹھا سکے۔

حضرت مولانا صاحب جب الیکشن جیت گئے تو بھٹو نے نصر اللہ خٹک سے کہا کہ: وزیر اعلیٰ! تو ایک مولوی کا بھی مقابلہ نہ کر سکا تو نصر اللہ خٹک نے کہا: کہ اگر تمہارا شوق ہو تو تم خود ہی ان کے مقابلے کے لئے میدان میں آ کر آزمایئے۔ تم نے (نعوذ باللہ) ایک پیغمبر کے مقابلے کے لئے مجھے کھڑا کر دیا تھا۔ میں ان کے بارے میں آخر لوگوں سے کیا کہتا۔

اخلاق عظیمہ کا یہی کمال ہے کہ وہ ساری دنیا کو مسخر کر دیتا ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ گھر میں بیٹھا کرتے تھے۔ ووٹ مانگنے کے لئے عموماً کسی کے پاس نہ جایا کرتے تھے، لیکن پھر بھی لوگ ووٹ انہیں کو دیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا کردار لوگوں کو معلوم تھا۔ اس وجہ سے لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے۔

سلسلہ خطبات جمعہ
شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط وترتیب : حافظ محمد سلمان الحق انوار حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

موت ایک اٹل حقیقت

دنیا کو حضور نے قید خانہ سے تشبیہ دی جیل، سختی، تنگی، پریشانی اور مشقت وغیرہ کا نام ہے اور دنیا میں بھی مسلمان انہی تکالیف کا شکار رہتا ہے، اکثر وبیشتر ایمان وعقیدہ کے محفوظ رکھنے کی فکر، کبھی مال کی پریشانی تو کبھی اولاد کی کبھی معاشرتی تو کبھی معاشی الغرض قدم قدم پر آزمائشیں اور ابتلا ہی ابتلاء اگر کسی وقت اطمینان وسکون میسر بھی آجائے پھر بھی اس سکون وراحت کے مقابلہ میں جو موت کے بعد جنت میں ملنے والی ہے کوئی حیثیت ہی نہیں تو اس دنیا کی پھر بھی اس کی نظر میں قید خانہ اور قحط سے زیادہ حیثیت نہیں، ہر لحہ ایک صالح وباکردار مسلمان کا شوق رہتا ہے کہ اس محنت ومشقت بھری دنیا سے نجات ورہائی پاکر دار البقاء کی طرف منتقل ہو جائے۔

موت کو کثرت سے یاد کرو:

ہم میں سے بہت سے مسلمان جو دنیا کی طلب میں اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ موت اور عاقبت کو بھول کر دنیا کی لذتوں میں گم ہو چکے ہیں، جبکہ حضور ﷺ کا واضح فرمان ہے کہ عن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ اکثر و اذکرھا ذم اللذات فانه ماذکره احد فی ضیق من العیش الاوسعه علیه ولا فی سعة الاضیقه علیه (رواہ البزاز) ''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لذتوں کو توڑنے والی چیز جو کہ موت ہے کو کثرت سے یاد کرو کیونکہ جو بھی اسے تنگی کے زمانہ میں یاد کرے گا اس پر فراخی ہوگی اگر عیش وراحت میں ہو تو موت کی یاد کی وجہ سے اس پر تنگی آئے گی۔

وجہ یہ ہے کہ جب تکلیف کی حالت میں موت کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھے گا تو اپنے سکون اور مصیبت پر پریشان ہونے کی بجائے سکون حاصل ہوگا کہ موت کی سختی کے مقابلہ میں باقی تمام سختیاں ہیچ ہیں۔اور خوشحالی اور فراخی کے دور میں یاد کرے گا تو دنیوی فراوانی اور خوشحالی کی وجہ سے جن خرمستیوں اور گناہوں کا امکان ہے فانی ہونے کے تصور سے ان گناہوں میں مبتلا ہونے سے بچ جائے گا، ہر دو حالتوں میں موت کا تصور فائدہ مند ہے۔

جب موت کا وقت مقررہ آپہنچے:

قرآن وحدیث مسلمانوں کو ہر وقت موت ومابعد الموت کی حالت کی یاد اور اس کے لئے تیاری کی دعوت دے رہا ہے۔حضور ﷺ نے اس شخص کو دانا اور عقلمند کے نام سے یاد فرمایا ہے، جو موت کو یاد کرنے والا اور اس کے لئے

تیاری کرنے والا ہو۔ ہمارے عرف اور اصطلاح میں عقلمند اس کو کہا جاتا ہے جو دنیا کے داؤ پیچ کا ماہر اور زیادہ کمانے والا ہو، کاروبار میں منافع کے لئے جائز اور ناجائز کی تمیز کئے بغیر ہر قسم کے حربے استعمال کرنے میں ممتاز اور معاشرہ میں سب سے زیادہ عیار اور مکار ہو اور اپنے ہر ضرورت اور حاجت کو پورا کرنے کے لئے اوروں پر سبقت حاصل کرنے کا ماہر ہو، حالانکہ دنیا کے ہر ضرورت کا خاتمہ ایک نئی ضرورت پر ہوتا ہے اور اسکا اختتام دوسری ضرورت پر ہوتا ہے۔ اور یہ نہ رکنے والا سلسلہ موت تک جاری رہتا ہے۔ موت کے لئے تیاری کی فرصت ہی نہیں ملتی، جب مقررہ وقت سر پر پہنچ جاتا ہے سوائے حسرت اور افسوس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ پھر یہی تمنا باقی رہ جاتی ہے کہ رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق و اکن من الصالحین (ترجمہ) ''اے رب مجھے ذرا تو مہلت دی جاتی تا کہ میں خیرات دے دیتا اور نیک ہو جاتا'' (سورۃ المنافقون)۔ مگر اس وقت درخواست مسترد کر کے رب ذوالجلال فرماتے ہیں۔ ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء اجلھا و اللہ خبیر بما تعملون (سورۃ المنافقون)۔

ترجمہ: ''اور اللہ تو ہرگز کسی کو مہلت نہیں دیتا جبکہ اس کا وقت آ جاتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔''

یعنی موت کا وقت سر پر پہنچنے کے بعد اگر کوئی انسان زندگی میں کچھ مزید اضافے کی درخواست کرے تو عادۃ اللہ ہے کہ وقت مقررہ سے ایک لحہ بھی زیادہ مہلت نہیں دی جاتی۔ اگر کسی کی خواہش اور آرزو پر موت کے مقررہ وقت کا ٹلنا ہوتا تو حضرت سلیمانؑ جیسے اولعزم اور جلیل القدر پیغمبر جب بیت المقدس کی تعمیر میں مصروف ہوئے اس وقت موت کے پیامبر نے آکر دنیا سے رخصت ہونے کی اطلاع دی، آپ نے خواہش کا اظہار فرمایا کہ بیت المقدس یعنی خانہ خدا کی تکمیل تک اگر مہلت دی جائے مگر آرزو قبول نہ ہوئی، معلوم ہوا کہ موت کا اٹل اور مقررہ فیصلہ کسی کی خواہش پر تبدیل نہیں ہوتا۔ ورنہ آپ دیکھ لیں، یہاں درخواست دینے والا کون ہے؟ عظیم المرتبت پاک و معصوم نبی۔ اور تمنا کی غرض بھی کوئی دنیاوی مقصد کی تکمیل نہیں بلکہ اللہ کے گھر کو مکمل کرنا ہے۔ اس گھر کو جو منقبت و فضیلت اللہ نے دی ہے وہ بھی آپ مساجد ثلثہ کے ضمن میں بار بار سن چکے ہیں۔

موت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے:

اب تک معروضات سے یہ بات عیاں ہو چکی کہ موت ثابت شدہ حقیقت ہے اس سے چھٹکارا ناممکن ہے اور انسان کی خواہشات کو آناً فاناً زیروزبر اور تہس نہس کرنے والے اس انقلابی عمل کے وقوع پذیر ہونے کا وقت بھی اس کو معلوم نہیں۔ حضورﷺ کے ارشاد عالیہ کے مطابق اگر صبح کا وقت اس کو ملے تو شام کا انتظار نہ کرے کسی کو معلوم نہیں کہ شام کو حیات مستعار کا حصہ اس کی قسمت میں ہے بھی یا نہیں۔ اور اگر شام کسی کو حاصل ہو تو صبح کے حصول کا یقین نہ کرے بلکہ زندگی کا جو لحہ اس کو ملے اس کو رب العالمین کی خوشنودی کا سبب بننے والے اعمال میں صرف کر دے، ممکن

باقی صفحہ (۴۶ پر)

ڈاکٹر محمد جنید ندوی *

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

(حیات اور علمی وملّی خدمات کا مختصر تعارف)

حرفِ آغاز

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الأمين

بیسویں صدی میں امت مسلمہ کے علمی اور دینی افق کو درخشاں کرنے والے ایک ستارے کا نام ''مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ'' ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی جو مولانا علی میاں(۱) کے نام سے زیادہ معروف اور مقبول ہوئے، ایک نامور عالم دین ومربی، ایک بلند پایہ مصنف ومفکر، ایک سحر انگیز خطیب وزعیم، ایک دردمند مبلغ ومصلح، ایک منفرد مؤرخ وسیرت نگار اور صاحب طرز ادیب تھے۔ مولانا علی میاںؒ علم وفضل، سنجیدگی فکر ونظر، اخلاص وتقوی، عبادت و ریاضت اور خشیت وطاعت جیسی صفات کا مرقع تھے۔ بلاشبہ اِن تمام اوصافِ حمیدہ کے مجموعے نے ہی اُنہیں بیسویں صدی کے احیائے اسلام کے معماروں میں یک منفرد مقام پر فائز کر دیا ہے(۲)۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی حیات اور اُن کی علمی خدمات کے مختلف پہلوؤں کو قلم بند کرنا ایک ضخیم کتاب کا تقاضا کرتا ہے۔ تاہم زیرِ نظر مقالے میں اختصار کے ساتھ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حالاتِ زندگی، تعلیم و تربیت اور ان کی تدریسی، علمی اور ملّی خدمات کا تعارف پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حالاتِ زندگی

سیّد ابوالحسن علی ندویؒ ۶ محرم ۱۳۳۳ھ مطابق(۳) ۲۴ نومبر ۱۹۱۴ء(۴) رائے بریلی، یوپی، انڈیا میں پیدا ہوئے اور ۲۳ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو اس جہانِ فانی سے انتقال فرما گئے(۵)۔

مولانا علی میاں ایک ایسے معزز ومحترم خانوادۂ سادات میں پیدا ہوئے جو رشد وہدایت اور دعوت وجہاد میں بڑا نام رکھتا تھا۔ اس خانوادے کا سلسلۂ نصب حضرت حسنؓ بن علیؓ ابنِ ابی طالب کے ساتھ جا ملتا ہے۔ مجاہد ملت حضرت سیّد احمد شہید کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا(۶)۔ مولانا علی میاں کے والد اور والدہ دونوں علم وتقوی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

---

* سربراہ، شعبۂ علوم اسلامیہ وثقافت۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

آپ کے والد مولانا حکیم سید عبدالحئی لکھنوی (متوفی ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء) کتاب ''نزھۃ الخواطر''(۷) کے مؤلف تھے جو پانچ ہزار نامور ہندوستانی مسلمانوں کے تذکرے پر مشتمل ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔علاوہ ازیں کتاب ''گلِ رعنا'' بھی آپ ہی کی تالیف ہے جو اردو کے نامور شعراء کا پہلا مربوط تذکرہ ہے۔ مولانا حکیم سید عبدالحئی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم اور دینی اور علمی حلقوں میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ مولانا علی میاں کی والدہ ''سیدہ خیرالنساء'' انتہائی پاک باز اور نیک سیرت خاتون تھیں، حافظۂ قرآن اور شاعرہ بھی تھیں۔ ان کی حمد و نعت کا ایک مجموعہ ''باب رحمت'' ۱۹۲۵ء مطابق ۱۳۴۳ھ میں (۸) اور ''حسن معاشرت'' کے نام سے خواتین کے لیے ایک مفید اور مختصر کتاب بھی شائع ہوئی تھی (۹)۔

تعلیم و تربیت

مولانا علی میاں کی عمر صرف ۹ سال تھی جب ان کے والد مولانا سید عبدالحئی کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ مولانا علی میاں کی تعلیم و تربیت رائے بریلی میں ان کی والدہ نے کی اور لکھنؤ میں ان کے برادرِ بزرگ ڈاکٹر عبدالعلیٰ نے کی جو دینی اور دنیاوی علوم کے جامع تھے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم بھی رہے (۱۰)۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے کیا۔ پھر عربی، فارسی اور اردو میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ قاسم العلوم لاہور سے دینی علوم کو مکمل کیا (۱۱)۔ سید رضوان علی ندوی کے بیان کے مطابق مولانا علی میاں نے، سال یا دو سال، عربی و انگریزی کی پرائیویٹ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ اور منظم تعلیم کی ابتداء اگست ۱۹۲۶ء مطابق محرم ۱۳۴۵ھ میں لکھنؤ یونیورسٹی سے کی تھی جو ۱۹۲۹ء مطابق ۱۳۴۸ھ میں فاضل عربی کی سند کی صورت میں ختم ہوئی (۱۲)۔ مولانا علی میاںؒ کے چند معروف اساتذہ کے نام یہ ہیں: شیخ خلیل بن عرب الیمنی، مولانا حیدر حسن خان ٹونکی، مولانا شبلی جیراج پوری، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا حسین احمد مدنی (۱۳)۔

تدریسی خدمات

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تدریسی خدمات کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق یکم اگست ۱۹۳۴ء سے ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء کا ہے، جب مولانا علی میاں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عربی ادب اور تفسیر و حدیث کے علاوہ منطق اور اسلامی تاریخ کے استاد تھے۔ اِس دور کا اختتام ان کی عملی دعوتی تحریک کے قیام اور مصروفیات کی وجہ سے ہوا، جس کا مقصد طلباء میں اسلامی اقدار کا احیاء تھا۔ مولانا کی مستقل تدریسی خدمات کا دوسرا دور بھی ندوہ ہی کا ہے، جو یکم رمضان ۱۳۶۲ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۴۳ء سے ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۵ نومبر ۱۹۴۵ء تک کا ہے۔ اس دور کے انقطاع کا سبب بھی ان کی دعوتی اور تبلیغی مصروفیات تھا۔ لیکن مولانا علی میاں ۱۹۴۳ء مطابق ۱۳۶۲ھ سے ۱۹۵۰ء مطابق ۱۳۶۹ھ کے عرصے میں ادارۂ تعلیماتِ اسلامی لکھنؤ کے مرکز میں قرآن و حدیث

پر خصوصی لیکچرز دیتے رہے۔ اِن لیکچرز کے منقطع ہونے کا سبب مشرقِ وسطیٰ کا سفر اور جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی منتقلی بنا۔ مولانا علی میاں ۱۹۵۱ء مطابق ۱۳۷۰ھ میں ندوۃ العلماء کے مہتمم بھی رہے۔ ۱۹۵۲ء مطابق ۱۳۷۱ھ میں بیرونی دوروں سے وطن واپسی پر مرکز تبلیغی جماعت، کچہری روڈ، لکھنؤ میں سلسلۂ تدریس دوبارہ میں شروع ہوا، لیکن بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر طویل عرصے تک منقطع رہا اور پھر دوبارہ ۱۹۹۲ء مطابق ۱۴۱۲ھ میں جاری ہوا۔ پھر یہ سلسلۂ تدریس مولانا کی زندگی کے آخری ایام میں ماہِ رمضان میں اپنے ہی گھر پر دائرہ شاہ علم اللہ ہوتا رہا، جو ۱۹۹۸ء مطابق ۱۴۱۸ھ میں شدید علالت کے باعث منقطع ہو گیا(۱۴)۔

علمی خدمات

مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی علمی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کا احاطہ کرنے کے لیے طویل وقت اور وسیع قرطاس کی ضرورت ہے۔ مولانا علی میاںؒ اُمت مسلمہ کے لیے، اپنی عربی اور اردو تصنیفات اور تحقیات کا عریض، عمیق، متنوع اور قیمتی ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ آپ کے قلم نے اردو اور عربی دونوں زبانوں میں یکساں سلاست و سہولت سے ایسا ادبی اسلوب پیدا کیا ہے جس کی خشبو مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ ذیل میں مولانا علی میاںؒ کی اُن معروف تالیفات، تصنیفات، خطبات، تقاریر، خطوط اور انٹرویوز کا تعارف پیش کیا جائے گا جو اردو یا عربی زبان میں ہیں لیکن اُن کا ترجمہ عربی، اردو اور انگریزی میں ہوا ہے، اور اب کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کتب کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔

اُردو تالیفات و تصنیفات

(۱)　ابلیس کی مجلسِ شوریٰ: یہ مولانا علی میاں کا ایک عربی مضمون ہے۔ اِس کا اُردو ترجمہ مولوی شمس تبریز خاں صاحب نے کیا ہے۔ یہ مضمون اب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے(۱۵)۔

(۲)　ابوجہل کی نوحہ گری: یہ مولانا علی میاں کا ایک عربی مضمون ہے جس کا ترجمہ مولوی شمس تبریز خاں صاحب نے کیا ہے، جواب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۳) اپنے گھر سے بیت اللہ تک: اِس تحریر میں مولانا علی میاں نے اپنے سفر حرمین شریفین کے قلبی تاثرات کو قلم بند فرمایا ہے۔ اِس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۴) ارکانِ اربعہ: ''الارکان الاربعہ'' مولانا علی میاں کے قلم سے، اسلام کے بنیادی ارکان پر لکھی جانے والی مبسوط اور منفرد عربی کتاب ہے اس کتاب کا اردو ترجمہ ''ارکانِ اربعہ'' کے نام سے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے

(۵) اسلام ایک تغیر پذیر دنیا میں: مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کا ایک فکر انگیز کتابچہ ہے جس میں انہوں نے دور جدید میں اسلامی نظام حیات کی بقا اور چیلنجز کا مقابلہ کرنے کیلئے اُمت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اِس کتابچے کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۶) اسلام کا تعارف: اسلام کے بنیادی نظریات کے تعارف پر مشتمل مولانا کی کتاب جسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۷) اسلام کے قلعے: مولانا کے چند اردو مضامین پر مشتمل کتابچہ ہے جو رسالہ ''الفرقان'' اور ''الندوۃ'' میں شائع ہوئے تھے۔ مولانا علی میاں نے اِن مضامین میں دینی مدارس کو چلانے کے مقاصد اور نصاب میں ترامیم کے لیے تفصیلی تجاویز دی ہیں۔ بعض نقائص اور خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے مدارسِ دینیہ عربیہ کے علمائے کرام کو اُن کی ذمہ داریاں بھی یاد دلائی ہیں (۱۶)۔

(۸) اسلام میں عورت کا درجہ اور اُس کے حقوق وفرائض: اسلام میں عورت کے مقام اور اس کے حقوق وفرائض کے حوالے سے مولانا علی میاں کی ایک گراں قدر اور مفید کتاب ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۹) اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس مضمون میں بیسویں صدی میں اُٹھنے والی اسلامی تحریکات کے پسِ پشت عوامل، ان کے اثرات اور اُن کے مستقبل کے بارے میں گراں قدر تجزیہ فرمایا ہے۔ اس کتابچے کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۱۰) اسلامیات اور مغربی مستشرقین ومسلمان مصنفین: اِس کتاب میں اسلام پر تحقیق کے حوالے سے مستشرقین کے رویے اور مسلمان مصنفین کے معذرت خواہانہ رویے کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسلام کی حقانیت اور اُس پر اعتراضات کا مختصر ومدلل جواب بھی موجود ہے۔ کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۱۱) اسماءِ حسنٰی: اللہ سبحانہ کے اسمائے مبارکہ کی مختصر تفہیم اور تشریح پر مشتمل مولانا کا یہ کتابچہ مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۱۲) اصلاحیات: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی باقاعدہ تالیف نہیں ہے بلکہ مولانا کی وہ ایمان افروز تقاریر ہیں جو آپ نے مختلف اوقات اور مقامات پر فرمائی ہیں۔ ''مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی'' نے اِن تقاریر کو محفوظ کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔

(۱۳) اقبال اور عصری نظام تعلیم: یہ مولانا علی میاں کا ایک عربی مقالہ ہے، جس کا ترجمہ ''مولوی شمس تبریز خاں'' نے کیا ہے۔ اب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی'' کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ

اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔ یہ عربی مقالہ قاہرہ یونیورسٹی، (سابق جامعۃ فواد الاول) میں ۵، رجب ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۰، اپریل ۱۹۵۱ء کو پڑھا گیا(۱۷)۔

(۱۴) اقبال اور مغربی تہذیب و ثقافت: اصلاً عربی مقالہ ہے۔ لیکن اب، مولانا کی کتاب ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' سے ماخوذ ہے اور کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے(۱۸)۔

(۱۵) اقبال درِ دولت پر: اصل میں یہ مولانا کا ایک شاہکار عربی مضمون ہے، جو ''اقبال فی مدینۃ الرسول'' کے عنوان سے ۱۹۵۶ء مطابق ۱۳۷۵ھ میں دمشق ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوا تھا۔ اسی عربی مضمون کو مولانا علی میاں نے اضافوں کے ساتھ، اُردو زبان کے خوب صورت قالب میں ڈھالا ہے جو ''اقبال درِ دولت پر'' کے نام سے اب مصنف کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اِس مضمون میں مصنف نے علامہ اقبال کی نظم ''ارمغانِ حجاز'' کے مختلف حصوں سے، جسے وہ اقبال کے خیالی سفر حرمین الشریفین کی روداد قرار دیتے ہیں، اقبال کے اس روحانی سفر کی تفصیل کو دل نشیں انداز سے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے(۱۹)۔

(۱۶) اقبال کا پیغام بلادِ عربیہ کے نام: اس عربی مقالے کا اردو ترجمہ شمس تبریز خاں صاحب نے کیا۔ اب کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۱۷) اقبال کی شخصیت کے تخلیقی عناصر: یہ عربی مقالہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء مطابق جمادی الاول، ۱۳۷۰ھ کو قاہرہ کے مشہور تعلیمی مرکز اور دانش گاہ، دار العلوم میں پڑھا گیا۔ اِس مقالے کا اردو ترجمہ شمس تبریز خاں صاحب نے کیا، جواب مولانا کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے(۲۰)۔

(۱۸) اقبال کا نظریۂ علم و فن: ۱۹۵۰ء مطابق ۱۳۶۹ھ میں حجاز، مصر اور شام کے ایک سالہ قیام کے دوران مولاناؒ نے ''اقبال اور اُن کے فکر و فن'' سے متعلق چند مقالات لکھے جو دار العلوم اور قاہرہ یونیورسٹی میں پڑھے گئے۔ ان کا اردو ترجمہ شمس تبریز خاں صاحب نے کیا جواب مولانا کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہیں۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے(۲۱)۔

(۱۹) المرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ: حضرت علیؓ ابنِ ابی طالب کی سیرت طیبہ پر لکھی گئی مفصل اور معروف کتاب ہے جو مولانا علی میاں نے عربی زبان میں تحریر کی۔ اِس کتاب کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہوا ہے۔ اردو زبان میں اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۲۰) اُمت اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد: اِس کتابچے کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔ اِس تحریر میں مولانا علی میاںؒ کی دُور رس نگاہوں نے اُمت مسلمہ کو مستقبل میں پیش آنے والے طوفانوں کو دیکھ کر آگاہ کر

دیا تھا۔ آج اُمت اُن طوفانوں کی زد میں ہے۔

(۲۱) اندلس: مولانا کے دور طالب علمی کا ایک مضمون ہے جس کا حوالہ تو خود مولانا نے دیا ہے، لیکن اس کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی ہے (۲۲)۔

(۲۲) ''انسانِ کامل'' اقبال کی نگاہ میں: یہ اُس عربی مقالے کا دوسرا حصہ ہے جو مولانا نے قاہرہ یونیورسٹی (سابق جامعۃ فوادالاول) میں ۵، رجب ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۰، اپریل ۱۹۵۱ء کو پڑھا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ ہے جو ''شمس تبریز خاں صاحب'' نے کیا۔ اب مولانا کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے (۲۳)۔

(۲۳) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے زوال کے اثرات: مولانا نے یہ عربی کتاب ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' ۱۹۴۷ء میں لکھی۔ اس عربی کتاب نے سارے عالم عرب سے خراج تحسین وصول کیا۔ یہ کتاب ۱۹۵۰ء مطابق ۱۳۶۹ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔ اور اسے ''دارالقرآن الکریم''، سوریہ، (شام) نے بھی ۱۹۷۷ء میں شائع کیا ہے۔ یہ بیسویں صدی کی سب سے زیادہ چھپنے والی کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے زوال کے اثرات'' کے نام سے اور دیگر کئی زبانوں میں بھی ہوا ہے۔ یہ کتاب اب ایک "Classic" کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا علی میاں نے اِس کتاب میں بنی اُمیہ اور بنی عباس کے دور حکومت کا بے لاگ جائزہ لیا ہے۔ حکمرانوں کے بے لگام اختیارات، جبر اور تعیش، دین اور سیاست کی عملی تفریق، صلحائے اُمت کی جدوجہد اور اصلاح حال کی کوششیں، مسلمانوں کے زوال کے اثرات، یہ موضوعات اس علمی کاوش کا حصہ ہیں۔ اِس کتاب کی خوبیوں کے علاوہ ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُس زمانے کے عظیم مجاہد اور مفکر اسلام سید قطب شہید نے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے، جو قابل ستائش ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے عنوان کی معمولی تبدیلی ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' کے ساتھ دوبارہ شائع کیا ہے۔

(۲۴) انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی وتعمیری کردار: مولانا علی میاں نے اِس کتاب میں سماجی اور عمرانی علوم میں اسلام کے تعمیری کردار کو پیش کرنے کے علاوہ دیگر فلسفوں کے نقائص کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ اسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۲۵) انسانیت کے محسن اعظم ﷺ: رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ میں لکھا گیا کتابچہ جسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۲۶) ایک اہم دینی دعوت: ''تبلیغی جماعت'' کے مؤسس حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دعوت اِس کتابچے کا موضوع ہے۔ مولانا علی میاں نے مولانا الیاسؒ کی دعوت کے اسلوب کی توضیح، اور اُس کے اُصول ومبادی اور فکری

اساس پر قلم اٹھایا ہے۔ اسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے پہلی مرتبہ ۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔

(۲۷) ایک لمحہ جمال الدین افغانی کے ساتھ: یہ مولانا ؒ کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ ہے، جواب ان کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے (۲۴)۔

(۲۸) بصائر: برصغیر پاک و ہند کی دینی اور اصلاحی تحریکات کے اجمالی تعارف پر مشتمل کتابچہ جسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے

(۲۹) پاجا سراغِ زندگی: مولانا نے اس کتاب میں ایک اہم ترین مسئلے کو اُجاگر کیا ہے۔ اُن کی نظر میں بیسویں صدی میں عالم اسلام کو درپیش سب سے اہم معرکہ، اسلام اور مغربیت کی کشمکش ہے۔ اور اِس وقت نظام حکومت پر قابض طبقے، سواد اعظم اور عام مسلمانوں کے درمیان بھی ایک بڑی کشمکش برپا ہے۔ آج دنیا کی زمام کار جس طبقے کے ہاتھ میں ہے، اُس کے خیال میں اسلام اپنی ساری افادیت کھو چکا ہے، لہٰذا آج کے دور کا سب سے اہم معرکہ یہ ہے کہ اسلام نظام حیات کی حقانیت وافادیت کو ثابت کرنے کے لیے علم و عمل کا وہ معیاری نمونہ سامنے آئے کہ زمانہ خود آگے بڑھ کر اِسے قبول کرلے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اس گراں قدر تالیف کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے پہلی بار ۱۹۷۸ء میں شائع کیا (۲۵)۔

(۳۰) پرانے چراغ: اِس تالیف میں مولانا نے بعض اُن شخصیات کا تذکرہ کیا ہے جن میں باہم فکری آویزش رہی ہے یا جن سے خود مولانا کے فکری اختلافات تھے۔ اِس تذکرے میں اُن معاصر شخصیات کی سوانح بھی ریکارڈ ہوگئی ہیں۔ اِس تالیف میں مولانا کا اپنے استاذ ''مولانا خلیل عرب'' کی یاد میں لکھا ہوا مقالہ بھی شامل ہے۔ اس کتاب کو مکتبہ فردوس لکھنؤ نے ۱۹۷۵ء میں اور مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا (۲۶)۔ جنرل ضیاء الحق کو مسجد اقصیٰ کا موڈل پیش کرتے وقت جو الفاظ ادا کیے وہ مولانا علی میاں کے جذبۂ ایمانی، اُمت مسلمہ کی محبت اور حق و باطل کی کشمکش بں اُمت مسلمہ کے کردار کے بارے میں اُن کے تصور کی عکاسی کرتے تھے (۲۷)۔ اب اِس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔

(۳۱) پندرھویں صدی ہجری ماضی وحال کے آئینے میں: کتابچہ عالم اِسلام کا چشم کشا جائزہ ہے جسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا۔

(۳۲) تاریخ دعوت وعزیمت: مولانا کی یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد ۱۹۵۴ میں تصنیف کی گئی۔ اسے دارالمصنفین، لکھنؤ نے شائع کیا تھا (۲۸)۔ اِس جلد میں بنی اُمیہ اور بنی عباس کے حکمرانوں کی حالت زار کا بیان ملتا ہے۔ کتاب میں بنی اُمیہ اور بنی عباس کے دور حکومت کا بے لاگ جائزہ لیا ہے۔ حکمرانوں کے بے لگام اختیارات، جبر اور تعیش، دین اور سیاست کی عملی تفریق، صلحائے اُمت کی جدوجہد اور اصلاح حال کی کوششیں، مسلمانوں کے زوال کے

اثرات، یہ موضوعات اس علمی کاوش کا حصہ ہیں۔ پھر فتنۂ تاتار اور اسلام کی ایک نئی آزمائش کا ذکر ہے، پھر اہم دینی اور فکری شخصیات کا تذکرہ ہے۔ دو جلدیں سیرت سید احمد شہید پر مشتمل ہیں۔ کتاب کی تیسری جلد ''مشائخ چشت'' کے حالات پر مبنی ہے۔ کتاب کی دوسری، چوتھی اور پانچویں جلد تین عظیم اسلامی شخصیات، ابن تیمیہؒ، مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ پر ہیں۔ یہ کتاب علم الرجال یا سوانح حیات نہیں بلکہ دعوت اسلامی کی تحریک کو دوسری صدی ہجری سے تسلسل اور تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے جس کی آخری کڑی سید احمد شہید کی تحریکِ اصلاح و جہاد ہے۔ اِس کتاب کو فکر اسلامی کی تاریخ بھی کہا جاتا ہے[۲۹]۔ یہ کتاب عربی زبان میں بھی منتقل ہو چکی ہے۔ یہ کتاب مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ نے ۱۹۶۳ء اور مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے ۱۹۷۸ء میں شائع کی۔ اس کا انگریزی ترجمہ "Saviours of Islamic Spirt" کے نام سے بھی ہو چکا ہے۔ اِس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے سات جلدوں میں دوبارہ شائع کیا ہے۔

(۳۳) تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب: یہ مولانا علی میاں کے عربی خطبات کا ایک سلسلہ تھا جو اب عربی کتاب کی شکل میں چھپ چکا ہے[۳۰]۔ اِس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اِس کا اردو ترجمہ مولانا عبداللہ عباس ندوی نے ''تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب'' کے عنوان سے کیا ہے۔ کتاب مختصر، جامع اور بے حد مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ اِس کتاب میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کی حکمتِ تبلیغ کا اصلوب اور اُن کے ایمان افروز تجربات کو بیان کیا گیا ہے۔ اسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۳۴) تحفۂ پاکستان: یہ کتاب مولانا کی اُن تقاریر کا مجموعہ ہے جو مئی ۱۹۸۴ء میں قیام کراچی کے دوران کی گئیں۔ کتاب کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کی مولانا پاکستان کو کیسا دیکھنا چاہتے تھے؟ انہیں کیا توقعات وابستہ تھیں؟ اہل پاکستان کے فکر و نظر میں کیا جھول ہے؟ اُنہیں منزل کے حصول کے لیے کیا کرنا چاہیے؟۔ یہ کتاب مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے ۱۹۷۹ء میں شائع کی تھی[۳۱]۔ اب دوبارہ شائع ہوئی ہے۔

(۳۵) تحفۂ دین و دانش: مالوہ، اُجین اور اندور کے مقامات پر کی گئی تقاریر کا مجموعہ جسے مجلس نشریات اسلام کراچی نے شائع کیا۔

(۳۶) تحفۂ کشمیر: اُن خطبات اور تقاریر کا مجموعہ جو سری نگر کے مختلف مقامات پر کی گئیں۔ اسے مجلس نشریات اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۳۷) تحفۂ مشرق: مولانا کی اُن تقاریر کا مجموعہ ہے جو بنگلہ دیش میں کی گئیں۔ اسے مجلس نشریات اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۳۸) تذکرہ فضل الرحمٰن گنج مراد پوری: مولانا علی میاں نے عصر حاضر کے بزرگ مشائخ کی سوانح عمریاں بھی لکھی

ہیں، جو ایک علیحدہ تاریخی اور صوفیانہ کام ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اِس تالیف کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۳۹) تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک : یہ کتاب تزکیۂ نفس کی ضرورت اور اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں تصوف و سلوک یا الفاظ دیگر تزکیہ نفس کو الہامی نظام سے تعبیر فرمایا ہے۔ ان کے نزدیک اخلاق کی پاکیزگی اِسی نظام کی بدولت حاصل ہوسکتی ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اس تالیف کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۴۰) تعمیرِ انسانیت: اسلام میں انسانیت کا مقام اور پیغام کے موضوع پر مولانا کی تالیف ہے جسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا۔

(۴۱) تہذیب و تمدن پر اسلام کے احسانات: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف جسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۴۲) جاہلیت کی بازگشت: یہ مولانا کا ایک عربی مضمون ہے۔ اِس کا اردو ترجمہ ''شمس تبریز خاں صاحب'' نے کیا ہے، جواب مصنف کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ یہ کتاب، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کی ہے (۳۲)۔

(۴۳) جب ایمان کی بہار آئی: یہ اصلاً عربی کتاب ''اذاھبت ریح الایمان'' جہاد فی سبیل اللہ کے احیاء کے لیے لکھی گئی تھی۔ ۱۹۵۲ء مطابق ۱۳۷۲ھ میں، مولانا علی میاں نے تحریک اصلاح و جہاد کی اثر انگیز تاریخ کو سادہ عربی زبان میں مرتب کرنا شروع کیا تا کہ ہندوستان کی اسلامی تحریک کے قائد ''سید احمد شہید'' کا مقام و مرتبہ اور مومنانہ و مجاہدانہ کردار عرب دنیا کے سامنے آ جائے۔ بعد میں اِس کتاب کو مولانا کے برادر زادے مولوی محمد الحسنی نے ''جب ایمان کی بہار آئی'' کے نام سے اردو زبان میں منتقل کیا۔ کتاب سید احمد شہیدؒ اور اُن کے رفقاء کے ایمان افروز واقعات سے لبریز ہے۔ اِس کتاب کو مجلس نشریات اسلام کراچی نے شائع کیا ہے (۳۳)۔

(۴۴) چاند: علامہ اقبالؒ کی ایک اردو نظم ہے۔ مولانا علی میاں نے ۱۶ برس کی عمر میں اِس کا عربی ترجمہ کیا اور خود علامہ اقبالؒ سے اس کی داد وصول کی تھی۔ یہ کتاب، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کی ہے (۳۴)

(۴۵) حجازِ مقدس اور جزیرۃ العرب (اُمیدوں اور اندیشوں کے درمیان) : مولانا علی میاں کے سعودی عرب کی حکومت کے ساتھ خصوصی مراسم تھے، لیکن اِسکے باوجود بھی، اِس خیر خواہ اور دردمند دل رکھنے والے انسان نے اپنے ذاتی مصالح کے بجائے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی بات کی۔ اِس کی صحیح تصویر اُن کی اِس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ کتاب بھی مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کی ہے۔

(۴۶) حدیثِ پاکستان: مولانا کی یہ کتاب ۱۹۷۸ء میں دورۂ پاکستان کے دوران مختلف اجتماعات، جامعات

اور مدارس میں کی جانے والی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ ان تقاریر کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کی مولانا پاکستان کو کیسا دیکھنا چاہتے تھے؟ انہیں کیا توقعات وابستہ تھیں؟ اہل پاکستان کے فکر ونظر میں کیا جھول ہے؟ اُنہیں منزل کے حصول کے لیے کیا کرنا چاہیے؟۔ اِس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا(۳۵)۔

(۴۷) حدیث کا بنیادی کردار: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ہے جسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۴۸) حضرت مولانا محمد الیاس اور اُن کی دینی دعوت: کتاب میں مولانا الیاس کی سوانح، اُن کی دعوت کے اصلوب کی توضیح، اور اُس کے اُصول ومبادی اور فکری اساس کا بیان ہے۔ اسے کتب خانہ الفرقان لکھنؤ نے ۱۹۵۵ء میں اور مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا(۳۶)۔

(۴۹) حیاتِ عبدالحیٔ: کتاب میں مولانا نے اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات زندگی، اُن کی صفات اور تصنیفات کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ اس کتاب کو ''اردو مراٹھی پرکاشن''، پونہ، نے ۱۹۸۸ء اور ''مجلس نشریاتِ اسلام'' کراچی، نے بھی شائع کیا ہے۔

(۵۰) خطبات مفکر اسلام: یہ کتاب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تمام دعوتی اور علمی تقاریر وخطبات کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ اِس کتاب کو مولانا محمد کاظم ندوی صاحب نے مرتب کیا ہے۔ چار جلدوں پر مشتمل اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، نے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا ہے۔

(۵۱) خواتین اور دین کی خدمت: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ہے جس میں اُنہوں نے خواتین کو یہ بتایا ہے کہ وہ دعوت دین کا کام کس طرح کر سکتی ہیں۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۵۲) خلفائے اربعہ: خلفائے راشدین کے تذکرے پر مشتمل کتابچہ ہے جسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۵۳) دریائے کابل سے دریائے یرموک تک: تاریخی حقائق پر مبنی تالیف جسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۵۴) دستورِ حیات: اسلامی طرز زندگی گزارنے کی ہدایات پر مشتمل تالیف ہے۔ اِسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۵۵) دو متضاد تصویریں: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ہے جس میں اُنہوں نے آیت اللہ خمینی کے لائے ہوئے ایرانی انقلاب کا اسلامی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا ہے۔ اِس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۵۶) دو ہفتے ترکی میں: یہ مولانا کا ایک مضمون ہے جو مجلّہ ''وائس آف اسلام'' میں شائع ہوا۔ اس بات کا ثبوت

مولانا علی میاں کے ایک خط سے ملتا ہے جو انہوں نے پروفیسر خورشید احمد کے نام لکھا تھا۔ اِس خط میں اِس مضمون کو اشاعت کے لیے بھیجنے کا ذکر کیا ہے (۳۷)۔ اِس کتابچے کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۵۷) دین حق اور علمائے ربانی: مولانا کی اِس تحریر کو کتابچے کی شکل میں مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۵۸) دین و مذہب: ۲۸ برس کی عمر میں، مولانا نے یہ مبسوط علمی مقالہ ''جامعہ ملیہ'' کی دعوت پر، ۱۹۴۲ء مطابق ۱۳۶۱ھ میں پڑھا، جو بعد میں ''دین و مذہب'' کے نام سے شائع ہوا (۳۸)۔

(۵۹) ذکرِ خیر: مولانا علی میاں نے اِس تحریر میں اپنی والدہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا (۳۹)۔

(۶۰) ذوق وشوق: یہ مولانا کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ ہے، جو اب مصنف کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔

(۶۱) ذہنی واعتقادی ارتداد: یہ اصلاً مولانا کی عربی تصنیف ''ردہ ولا ابا بکرلھا'' ہے، جسے '' المجمع الاسلامی العلمی، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ نے ۱۹۸۰ء میں شائع کیا تھا۔ کتاب ''ذہنی واعتقادی ارتداد'' اس کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں مولانا علی میاں نے بیسویں صدی کے آخری دور کو، عالم اسلام کے ''ارتداد'' کا دور قرار دیا ہے۔ یہ ارتداد ہمہ گیر اور قوت کے اعتبار سے انتہائی کامیاب ہے۔ مسلمانوں کا کوئی علاقہ اس سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ اِس ارتداد کی ایک شکل عالم اسلام کے خلاف یورپ کی ثقافتی یلغار ہے اور دوسری مادہ پرستانہ فلسفے پر مبنی سماجی، معاشی اور سیاسی نظام زندگی کا پرچار اور فروغ ہے جس کی بنیاد وحی، نبوت اور زندگی بعد موت (اور جوابدہی) کا انکار ہے۔ اِس ''ارتدادی طوفان'' نے اخلاقی اقدار کو یکسر بدل دیا ہے۔ اور نتیجتاً، حیوانی خواہشات کی تسکین ہی افراد اور قوموں کا منتہائے نظر قرار پا گیا ہے (۴۰)۔ اِس کتاب کے اہم حصوں کا اردو ترجمہ: ''ذہنی واعتقادی ارتداد'' کے نام سے، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، نے بھی ۲۰۰۱ء میں تیسری مرتبہ شائع کیا ہے (۴۱)۔

(۶۲) ساقی نامہ: مولانا کے اِس عربی مضمون کا اردو ترجمہ ''شمس تبریز خاں صاحب'' نے کیا ہے جو اب کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے (۴۲)۔

(۶۳) سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ: مولانا علی میاں نے عصر حاضر کے بزرگ مشائخ کی سوانح عمریاں بھی لکھی ہیں، جو ایک علیحدہ تاریخی اور صوفیانہ کام ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۶۴) سوانح مولانا عبد القادر رائے پوریؒ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ہے، جسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۶۵) سیرت رسول اکرم ﷺ: یہ مولانا علی میاں کی زبانِ مبارک سے سیرت النبی ﷺ پر ''السیرۃ النبویۃ'' کے نام

سے قلم بند ہونے والی عربی کتاب ہے۔ زندگی کے آخری ایام میں ضعف بصارت اور ایک آنکھ کے زیاں کے باعث، مآخذ اور حوالوں کے لیے اپنے معاونین اور کاتب کی مدد سے یہ کتاب املا کروائی گئی۔ اس کتاب میں چھٹی صدی میں موجود روم، فارس، ہندوستان، عرب اور یورپ میں بسنے والی اقوام کی ذہنی حالت کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے، اور خاص طور پر جزیرۃ العرب کا تاریخی، جغرافیائی، سماجی، معاشی اور دینی منظر نامہ پیش کیا گیا ہے۔ ایک مستند کتاب ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہوا ہے۔ مولانا کی اس تالیف کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۶۶) سیرت محمدی ﷺ دعاؤں کے آئینے میں: مولانا کی اس تالیف کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۶۷) سیرت سید احمد شہید: مولانا علی میاں کی پہلی اہم اور بڑی کتاب ہے جو ۱۹۳۹ء (کے آغاز) مطابق ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوئی (۴۳)۔ اُس وقت مولانا کی عمر پچیس برس تھی (۴۴)۔ مولانا نے بعد میں اس کتاب کی دوسری جلد بھی لکھی (۴۵)۔ جو ۱۹۷۴ء مطابق ۱۳۹۴ھ میں سامنے آئی (۴۶)۔ اس کتاب کی اولین اشاعت، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اور چوتھی اشاعت، ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی، کراچی نے ۱۹۷۵ء میں کی۔

(۶۸) شاعر اسلام اقبالؒ: حیات و خدمات: مولانا کا عربی مقالہ ہے جو ۱۹۵۱ء مطابق ۱۳۷۰ھ میں سعودی ریڈیو سے نشر ہوا۔ اِس کا اردو ترجمہ شمس تبریز خاں نے کیا، اور اب مولانا کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے (۴۷)

(۶۹) شاہ ولی اللہ بحیثیت مصنف: مولاناؒ نے یہ مقالہ مولانا محمد منظور نعمانی کے مجلّے ''الفرقان'' کے شاہ ولی اللہ نمبر کے لیے تحریر فرمایا تھا (۴۸)۔

(۷۰) شرقِ اوسط کی ڈائری: یہ کتاب اصلاً، اکتوبر ۱۹۵۱ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ میں، مشرقِ وسطیٰ کے ممالک اور تیسرے حج کے طویل سفر کے بعد ہندوستان واپسی پر مولانا کی لکھی ہوئی ڈائری ہے، جو ''مذکرات سائح فی الشرق العربی'' کے نام سے مصر سے چھپی۔ اِس کا اردو ترجمہ ''شرقِ اوسط کی ڈائری'' کے نام سے چند بار چھپا ہے (۴۹)۔

(۷۱) شکوہ اور مناجات: عربی مضمون کا ترجمہ ہے۔ اب کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا

(۷۲) صحبتے با اہل دل: حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالیؒ کے ملفوظات پر مشتمل تالیف جسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا۔

(۷۳) طارق کی دعا: عربی مضمون کا ترجمہ ہے جو کتاب ''نقوشِ اقبال'' کا حصہ ہے۔ اسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۷۴) طوفان سے ساحل تک: ''محمد اسد'' کی کتاب ''Road to Makkah'' کے عربی قالب ''الطریق الی

مکہ'' کا ترجمہ اور تلخیص ہے جسے مولانا علی میاں نے مصنف کی اجازت سے شائع کیا تھا۔ یہ کتاب ہر جویائے حق اور صاحبِ ذوق کے پڑھنے کے لائق ہے(۵۰)۔

(۷۵) عارفِ ہندی کی خدمت میں چند گھنٹے: مولانا علی میاں نے ۱۹۳۷ء مطابق ۱۳۵۶ھ میں علامہ اقبالؒ سے دوسری مرتبہ ملاقات کی اور کئی گھنٹے علامہ کے التفات وارشادات سے فیض یاب ہوئے۔ اِس ملاقات کے تاثرات کو مولانا نے قلم بند کیا تھا جو 'عارفِ ہندی کی خدمت میں چند گھنٹے'' کے عنوان سے پنجاب کے ایک رسالے میں شائع ہوا (۵۱)۔

(۷۶) عالمِ عربی کا المیہ: اِس تالیف میں عالم عرب کی خامیوں کا بے لاگ جائزہ لیا ہے۔ کتاب مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کی ہے۔

(۷۷) عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں''، ہی اِس کتاب کا اصل موضوع ہے۔ مولانا علی میاںؒ کو سید مودودیؒ کے تصورِ دین اور دعوت دین سے بنیادی اختلاف تھا۔ اِس کتاب میں مولاناؒ نے انتہائی شائستہ اور علمی انداز میں اِس اختلاف کی وضاحت کی ہے۔ مولانا کے نزدیک، سیاست میں دخول اور حکومت کا قیام، کارِ دین نہیں ہے۔ اِس ضمن میں اُنہوں نے جماعت کے دینی مزاج اور عبادات پر بھی بحث کی ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اس تالیف کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۷۸) علم دائم کے رابطہ کی ضرورت وافادیت: یہ اُس تقریر کا عنوان ہے، جو مولانا علی میاں نے ''خدا بخش سالانہ خطبہ'' کے طور پر، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، میں ۱۶، اکتوبر ۱۹۷۷ء مطابق شوال ۱۳۹۷ھ کو پیش کی تھی (۵۲)۔

(۷۹) قادیانیت۔ مطالعہ وجائزہ: مولانا علی میاںؒ نے یہ کتاب'' القادیانی والقادیانیہ'' کے عنوان سے عربی زبان میں لکھی۔ اس تالیف کا مقصد عرب ممالک کے باشندوں کو قادیانی تحریک کے مضمرات ونتائج سے آگاہ کرنا تھا، کیونکہ اُسوقت یہ گروہ،'' قادیانیت'' کو پھیلانے میں سرگرم تھا اور قادیانیت ہی کو اصل اسلام کے طور پر پیش کر رہے تھا۔ بعد میں اِس کتاب کو اُردو کا جامہ پہنا کر'' قادیانیت۔ مطالعہ وجائزہ'' کے عنوان' سے شائع کیا گیا۔ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ مولانا نے اِس کتاب میں قادیانیت کے مؤسسین، اُن کے عقائد اور دعوت کے تدریجی ارتقاء کا محققانہ جائزہ لیا ہے اور قادیانیت کے بطلان کے ثبوت پیش کیے ہیں۔ اِس تالیف کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۸۰) قرآنی اِفادات: قرآن مجید میں بیان کردہ مضامین پر مشتمل کتاب ہے۔ اس تالیف کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۸۱) کاروانِ ایمان وعزیمت: مولانا سیدابوالحسن علی ندوی کی تالیف ہے، جسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۸۲) کاروانِ زندگی: یہ کتاب مولانا علی میاں کی خودنوشت ہے۔اس کتاب میں مولانا نے اپنے حالات زندگی، تعلیمی مشاغل اور اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر جذبات کا اظہار بھی ملتا ہے۔اس کتاب کو''مجلس نشریاتِ اسلام'' کراچی نے سات جلدوں میں شائع کیا ہے۔

(۸۳) کاروانِ مدینہ: مولانا سیدابوالحسن علی ندوی کی تالیف جسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۸۴) کلام اقبال میں تاریخی حقائق واشارات: یہ اردو مقالہ ہے جو''اقبال کے کلام میں تاریخی حقائق واشارات'' کے نام سے''مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن امریکہ'' کی ایک مجلسِ علمی میں پڑھنے کے لیے لکھا گیا۔اب مصنف کی کتاب''نقوشِ اقبال'' میں''کلام اقبال میں تاریخی حقائق واشارات'' کے نام سے شامل ہے۔اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے[۵۳]۔

(۸۵) مذہب وتمدن: یہ مولانا علی میاں کی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے، جسے انہوں نے دینی مدارس کے طلباء کے مطالعہ کے لیے مفید قرار دیا ہے۔مولانا نے اس کتاب کی افادیت کا ذکر اپنے ایک خط بنام''مولانا محمد فضل'' میں کیا ہے[۵۴]۔اسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۸۶) مردمومن کا مقام: مولانا کے ایک عربی مضمون کا اردو ترجمہ ہے، جو''شمس تبریز خاں صاحب'' نے کیا ہے۔اب مولانا کی کتاب''نقوشِ اقبال'' کے صفحہ ۱۳۴ پر موجود ہے۔اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۸۷) مسئلہ فلسطین: مسئلہ فلسطین پر مولانا کا مدلل مضمون ہے جو کتابچے کی شکل میں شائع ہوا۔

(۸۸) مسافرغزنی وافغانستان: مولانا کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ ہے جو اب کتاب''نقوشِ اقبال'' کے صفحہ ۲۰۱ پر موجود ہے۔مولانا سیدابوالحسن علی ندوی کی اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۸۹) مسجدِ قرطبہ: مولانا کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ ہے جو اب مصنف کی کتاب''نقوشِ اقبال'' کے صفحہ ۱۶۸ پر موجود ہے۔مولانا سیدابوالحسن علی ندوی کی اس کتاب کو مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۹۰) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش: اِس عنوان کے تحت مولانا سیدابوالحسن علی ندوی نے نہایت وقیع تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔مولانا علی میاں کی نظر میں دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، لکھنؤ کی تعلیمی تحریکیں، مولانا محمد الیاس کی اصلاحی تحریک، علامہ اقبال کی فکری تحریک، مصر اور برصغیر میں الاخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کی تحریک دعوت ودین درحقیقت ایک ہی مقصد کے حصول کے متنوع راستے تھے۔اِن تحریکوں کے تاریخی کردار کا جائزہ

لیتے ہوئے، مولانا علی میاں اِن تحریکات کے اختلافِ فکر و عمل کو تنوع پر محمول کرتے ہیں، اور اِن کو باہم متضاد اور متعارض نہیں گردانتے۔ اس کتاب کو، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے ۱۹۸۱ء میں شائع کیا(۵۵)۔ اور جدید اضافوں کے ساتھ ۲۰۰۴ء میں شائع کیا ہے۔

(۹۱) مطالعہ قرآن کے اُصول و مبادی: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ہے۔ اسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۹۲) معرکہ ایمان و مادیّت: یہ سورۂ کہف کی تفسیر ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اِس تحریر میں ایمان اور مادیّت پرستی کے فرق اور اُن کے نتائج کو بیان فرمایا ہے۔ اِسے مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۹۳) مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف ہے۔ اسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا۔

(۹۴) مکاتیب یورپ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے خطوط جسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، نے شائع کیا ہے۔

(۹۵) منصبِ نبوت اور اُسکے عالی مقام حاملین: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس کتاب میں انتہائی خوب صورت پیرائے میں انبیاء کرامؑ کے حالات نبوت کو قلم بند کیا ہے۔ اس تالیف کو مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۹۶) نبیؐ خاتم و دین کامل: ختم نبوت پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تالیف جسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۹۷) نبیؐ رحمت ﷺ: سیرت پر مولانا کی تالیف جسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے جدید ترمیم کے ساتھ ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔

(۹۸) نشانِ منزل: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ اِسے مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۹۹) نقوشِ اقبال: اس کتاب میں مولانا علی میاں نے علامہ اقبال کی اہم نظموں اور متفرق اشعار سے اسلام کے بنیادی فلسفے، تعلیمات، روح اور ملتِ اسلامیہ کی تجدید و اصلاح کے لیے اقبال کے افکار کو دلنشیں نثری مضامین کے پیرائے میں ڈھالا ہے۔ اس کتاب میں فکر اقبال کے تمام اہم مباحث آگئے ہیں جو اقبال کے تمام قارئین کے لیے یکساں مفید ہیں۔ ''نقوشِ اقبال'' دراصل مولانا علی میاں کی عربی کتاب ''روائع اقبال'' ہے جس کا اردو ترجمہ مولوی شمس تبریز خاں نے کیا تھا۔ ''روائع اقبال'' دیارِ عرب میں اقبالیات کو متعارف کرانے والی وہ کتاب ہے جس نے عربوں کو کلامِ اقبال کے صحیح ذائقے سے روشناس کرایا ہے۔ یہ کتاب مجلس نشریاتِ اسلام کراچی نے ۱۹۸۳ء میں شائع کی تھی اب ۲۰۰۴ء میں جدید اضافوں کے ساتھ شائع کیا۔ .... (جاری ہے)

تذکرہ قراء

پروفیسر ڈاکٹر قاری محمد طاہر
مدیر ماہنامہ ''التجوید'' فیصل آباد

صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

تقریباً پندرہ سولہ برس کا نوجوان چھریرا بدن' قد پستہ' صحرا میں بکریوں کا ریوڑ چرا رہا تھا۔ اتفاق سے اس دوران وہاں سے رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا۔ ہادی برحق نے اس نوجوان سے پوچھا ''کہو بھئی یہ بکریاں دودھ دینے والی ہیں؟'' مطلب یہ تھا کہ اگر یہ دودھ دینے والی ہیں تو ہمیں ان کا دودھ پلاؤ۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ عربوں کے ہاں کسی ریوڑ والے سے دودھ طلب کرنا معمول کی بات تھی۔ اور عموماً ریوڑ کا مالک اس طرح راہ گیر کو دودھ دے دینے میں بار بھی محسوس نہ کرتا تھا۔

اس نوجوان نے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیا ''یہ بکریاں میری نہیں بلکہ میرے پاس امانت ہیں۔ عقبہ بن ابی معیط کی ہیں میں عقبہ کا ملازم ہوں''۔ مطلب یہ تھا کہ میں بکریوں کے مالک کی اجازت کے بغیر آپ کو دودھ نہیں دے سکتا۔ بات بڑی معقول تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے نوجوان کی امانت داری کو پسند فرمایا۔

پھر آپ نے پوچھا ''اچھا یہ بتاؤ' تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جو دودھ نہ دیتی ہو۔ جس کا تھن خشک ہو چکا ہو''۔ وہ نوجوان ریوڑ میں سے ایک بکری پکڑ لایا اور کہا کہ ''یہ ایک بکری ایسی ہے جو دودھ نہیں دیتی اور نہ ہی اس بات کی امید ہے کہ یہ دودھ دے گی''۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا۔ اللہ کی شان بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ دودھ کو ایک برتن میں دوہا گیا۔ آپ ﷺ نے نوش فرمایا۔ اپنے دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی پلایا۔ جب سیرانی ہو چکی تو آپ نے تھن کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''اب تو اسی طرح خشک ہو جا''۔ چنانچہ وہ تھن پھر پہلے کی طرح خشک ہو گیا۔ اس نوجوان نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو بہت ہی حیران ہوا۔ اور ساتھ ہی آپ کی ذات سے متاثر بھی ہوا۔ اور دل میں کہنے لگا کہ ''یہ تو واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ مجھے ان کی ذات پر ایمان لے آنا چاہیے''۔

چنانچہ دل کی گواہی پر لبیک کہتے ہوئے وہ نوجوان آگے بڑھا اور بولا ''میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ مجھے دامنِ اسلام میں جگہ دیجئے''۔ نوجوان کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سنا اور اپنا دست شفقت میرے سر پر رکھا اور فرمایا ''یرحمک اللہ'' اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ اور میں نے آپ کے کہنے پر لا الہ الا اللہ پڑھا اور مسلمان

ہوگیا۔ (۱) اس واقعہ کو بیان کرنے والے نوجوان کا نام عبداللہ بن مسعودؓ ہے۔ جن کا شمار صحابہ کرام میں بہت بڑے قاری اور مفسر کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ جس کی سند خود رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ملتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''قرآن مجید چار حضرات سے سیکھو۔ عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور سالم مولیٰ بن ابو حذیفہ'' (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اسلام قبول کرنے والوں میں سابقون الاولون کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کا قول ہے کہ ''میں اسلام قبول کرنے والوں میں چھٹا شخص تھا۔ اس وقت ہم چھ کے سوا روئے زمین پر کوئی ساتواں شخص مسلمان نہ تھا''۔ (۳) آپ کا نام نسب اس طرح ہے۔ عبداللہ بن مسعود بن الحارث بن غافل بن حبیب بن شمخ بن قار بن مخزوم بن صابلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مرکہ بن الیاس بن حضر۔ (۴)

آپ جہیر الصوت تھے۔ بلند آواز سے تلاوت کرتے۔ آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ آپ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کے حکم پر سب سے پہلے بیت اللہ میں تلاوت کلام اللہ کی۔ چنانچہ احمد بن سہیل البلخی جن کا انتقال ۵۰۷ھ میں ہوا، وہ فرماتے ہیں کہ ''ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''کیا ہم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس کا نفس اللہ کی رضا پر راضی اور مطمئن ہو۔ (اگر ہے) تو اسے چاہیے کہ وہ اس (قرآن کریم) کو بلند آواز سے پڑھے تاکہ قریش کے دلوں میں اتر جائے'' اس پر عبداللہ بن مسعودؓ بولے کہ ''میں ایسا کروں گا'' چنانچہ وہ خانہ کعبہ گئے اور وہاں پر اپنی بلند آواز سے سورہ رحمٰن کی تلاوت کی۔ پھر جب وہاں سے واپس ہوئے تو ان کا چہرہ خوب روشن تھا''۔ (۵) چہرہ کی روشنی سے مراد دلی اطمینان اور اس عظیم سعادت کے حصول کی وجہ سے طبعی خوشی او رحلاوت ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حاصل ہوئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بہت سے فضائل ومحاسن کا پتہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے چلتا ہے۔ ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں اپنی امت میں اس شخص سے راضی ہوں جس سے اللہ راضی ہے اور ابن مسعود۔ اور میں اپنی امت کے اس شخص سے ناراض ہوں جس سے اللہ ناراض ہے اور ابن مسعودؓ۔ (۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار ان عالی قدر صحابہ کرام میں ہوتا ہے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اجازت اور حکم سے اسلام کی خاطر دو مرتبہ ہجرت اختیار کی۔ پہلی ہجرت حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ منورہ کی طرف۔ آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ آپ ذو قبلتین بھی ہیں یعنی آپ نے دو قبلوں کی جانب منہ کر کے نماز ادا کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ آپ نے غزوہ بدر میں شامل ہو کر اسلام کا دفاع کیا۔ نیز اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کا سر تن سے جدا کر کے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ (۷) ...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بہت خوش لباس تھے۔ اچھے کپڑے زیب تن فرماتے۔ صفائی ستھرائی ان کی زندگی کا لازم جزو تھی۔ صحبتِ رسول ﷺ کا اثر تھا کہ خوشبو کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ جب آپ کسی راستہ سے

گزرتے تو کافی دیر تک فضا معطر رہتی۔ گزرنے والے خوشبو ہی سے پہچان لیتے کہ یہاں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گزر کر گئے ہیں۔ (۸) ...... علامہ جزریؒ لکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ ان میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ تجوید القرآن کے امام تھے۔ قرآن مجید کو عمدہ آواز میں ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔ آپ کے اسی وصف کی بناء پر رسول اکرم ﷺ نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ قرآن مجید کو ایسے طریقے سے پڑھے جس طریقے سے نازل ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق تلاوت کرے۔ (۹) ...... آپ اسلام قبول کر لینے کے بعد زیادہ وقت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں گزارتے تھے۔ حتیٰ کہ ابو موسیٰؓ یہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کے ہمراہ یمن سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم جتنا عرصہ آپؐ کے پاس رہے، ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی والدہ کو اہلِ بیت ہی خیال کرتے رہے کیونکہ ہم نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی والدہ اس کثرت سے رسول اللہ ﷺ کے گھر آنتے جاتے ہیں۔ اس پر ہمیں یہ گمان گزرنے لگا کہ شاید یہ حضرات بھی آپ کے اہل بیت ہی میں سے ہیں۔ آپ کے الفاظ میں یدخل علیہ کل وقت ویمشی معہ'ان کا آنا جانا ہر وقت رہتا اور انہی کے ساتھ آپ چلتے پھرتے تھے۔ (۱۰)

اسلام قبول کر چکنے کے بعد آپ کو رسول اکرم ﷺ سے اتنی محبت ہو گئی کہ کبھی آپ سے جدا نہ ہوتے۔ آپ کی خدمت کر کے بہت خوشی محسوس کرتے تھے۔ آپ کے لئے بستر بچھاتے، آپ کی نعلین مبارک اٹھاتے، آپ کے لئے مسواک اور پانی وغیرہ کا انتظام کرتے تھے۔ (۱۱) ...... آپ کا یہ وصف اتنا عام ہوا کہ آپ صحابہؓ کے درمیان بلند آواز اور مسواک کے نام سے مشہور و معروف ہو گئے۔ یعنی رسول اکرم ﷺ کے لئے مسواک لانا، اہتمام سے پیش کرنا پھر سنبھالنا، آپ کی شناخت بن چکا تھا۔ ...... رسول اکرم ﷺ کی معیت اور صحبت میں رہنے کا اثر تھا کہ آپ نے قرآن حکیم کا بہت حصہ براہ راست نبی اکرم ﷺ سے سیکھا تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے قرآن کریم کی ستر سے زائد سورتیں سیکھی تھیں۔ (۱۲)

تحصیل علم قرآن میں آپ کا طریق کار یہ تھا کہ آپ اتنا سبق لیتے جتنا اچھی طرح یاد کر لیں۔ نہ صرف یاد کر لیں بلکہ اتنے حصہ پر عمل پیرا بھی ہو سکیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ''میں نبی اکرم ﷺ سے دس دس آیات پڑھا کرتا تھا اور جب تک ان دس آیات کو اچھی طرح سمجھ کر ان پر عمل پیرا نہ ہو جاتا تھا آگے نہ بڑھتا۔ آپ کے اس عمل سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید کا محض پڑھنا، سیکھنا یا محض زبانی یاد کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کے پڑھے ہوئے حصے پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا عمل اس بات کا غماز ہے۔ (۱۳)

کتاب اللہ کی تحصیل کا ذوق و شوق آپکو اسقدر تھا کہ آپ فرماتے ہیں ''قسم ہے اس ذات کی جسکے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں، اگر مجھے یہ خبر ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھنے والا دنیا میں موجود ہے تو میں

تحصیل علم کیلئے اونٹ پر سوار ہو کر اس سے پاس پہنچ جاؤں۔ مراد یہ کہ تحصیلِ علومِ قرآنی کیلئے سفر انتہائی محمود ہے۔ (۱۴)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ایک مرتبہ حضرت ابی ظبیان سے پوچھا کہ ''تم کون سی قرات میں قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہو'' تو انہوں نے جواب دیا کہ '' قرأت اولیٰ یعنی ام عبد کی قرأت میں'' مراد یہ تھی کہ آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق تلاوت کرتے ہیں۔ یہ جواب سن کر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا: اجل ھی الاخرۃ ٹھیک ہے۔ یہی آخرت میں لے جانے والی چیز ہے۔'' (۱۵)

آپ کو قرآن سے محبت نہیں بلکہ عشق تھا۔ قرآن کی تحصیل کی خاطر ہی آپ بیشتر وقت رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ گزارتے تھے۔ حتیٰ کہ سال وصال کے وقت بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ نہ صرف ہمراہ تھے بلکہ جب رسول اکرم ﷺ نے جبریل امین کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا آپ اس وقت بھی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں موجود تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال ایک مرتبہ جبریل امین کو قرآن سنایا کرتے تھے۔ لیکن جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال آپ نے دو مرتبہ سنایا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس لئے انہیں یہ معلوم ہے کہ قرآن کریم کا کون سا حکم منسوخ کیا گیا ہے۔ یا کون سی آیت تبدیل کر کے اس کی جگہ دوسری آیت نازل کی گئی ہے۔ (۱۶) ..... چونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ قرآن کریم کا علم چار حضرات سے حاصل کرو۔ ان میں ایک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ہیں۔ اسلئے ایک مخلوق قرآنی علوم کی تحصیل کیلئے ان کی طرف رجوع کرتی تھی۔ آپ کے بہت سے شاگرد تھے۔..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بہت سے لوگوں نے تفسیرِ قرآن اور علم قرأت وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت مسروق بن الاجدع تابعی ہیں۔ ان کا شمار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص شاگردوں میں ہوتا ہے۔ آپ کے قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا طریق تدریس یہ تھا کہ آپ اپنے شاگردوں کے سامنے ایک سورۃ کی خود ہی تلاوت کرتے اور پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے احادیث رسول ﷺ بیان کرتے تھے۔ آپ کا یہ عمل قرآن کی تشریح میں حجیتِ حدیث پر دلیل ہے۔ (۱۷)

آپ نے کوفہ میں درس و تدریس کا باقاعدہ آغاز فرمایا۔ آپ سے کثیر تعداد لوگوں نے قرآن، حدیث، تفسیر اور علم تجوید و قرأت اخذ کئے۔ علامہ جزریؒ نے ایسے حضرات کا بطور خاص تذکرہ کیا ہے کہ جنہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے صرف علم تجوید و قراءات حاصل کیا۔ ان میں اسود تمیم بن خدیم، حارث بن قیس، زر بن حبیش، عبید بن قیس، عبید بن نضلہ، علمہ، عبید السلمانی، عمرو بن شرجیل، ابو عبدالرحمٰن السلمٰی، ابو عمر الشیبانی، زید بن وہب، مسروق بن الاجداع جیسے جلیل القدر قراء کے نام شامل ہیں۔ (۱۸) ..... حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر میں بغیر مشورہ کے کسی کو امیر یا خلیفہ بناتا تو یقیناً میں یہ بات پسند کرتا کہ ابن ام عبد (عبداللہ ابن مسعودؓ) کو خلیفہ بناؤں'' (۱۹)

شاید اسی وجہ سے خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ کی نظر انتخاب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ پر ہی پڑی۔

چنانچہ آپ نے عمار بن یاسرؓ کے ہمراہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو کوفہ بھیجا۔ اور اہل کوفہ کے لئے فرمان جاری کیا کہ ''میں عمار بن یاسر کو تمہارا امیر بنا کر بھیج رہا ہوں اور عبداللہ بن مسعودؓ کی تقرری بحیثیت وزیر اور معلم کر رہا ہوں۔ اصحاب رسول ﷺ میں ان کا شمار شرفاء میں ہوتا ہے۔ یہ حضرات اہل بدر ہیں۔ لہٰذا ان کی باتوں کا اتباع کرو۔ یہ جو حکم دیں اس کو پورا کرنا اپنا فرض خیال کرو'' ۔اس سرکاری فرمان کے ساتھ ہی آپ نے یہ بھی لکھا کہ میں اپنے اوپر عبداللہ بن مسعودؓ کو ترجیح دیتا ہوں۔ حضرت عمر کا یہ فرمان غایتِ انکسار اور تواضع کو ظاہر کرتا ہے۔ (۲۰)

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت تک آپ بدستور بطور معلم و وزیر کوفہ میں رہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں آپ کو کوفہ کا پورا حاکم مقرر کر دیا۔ لیکن جب ملکی حالات خراب ہوئے اور حضرت عثمانؓ کی حکومت پریشانیوں کا شکار ہوئی تو حضرت عثمانؓ نے آپ کو واپس مدینہ آنے کا حکم دیا۔ (۲۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے حکم پر واپس مدینہ تشریف لے آئے اور ۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کر گئے۔ بوقت انتقال آپ کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ (۲۲)

آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ چنانچہ حضرت سعید بن زید کہتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غارِ حرا پر پہنچے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دس آدمی جنت میں داخل ہوں گے۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن مالک، سعید بن زید اور عبداللہ ابن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین۔'' (۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نمازِ جنازہ حضرت عثمانؓ نے پڑھائی۔ (۲۴)

حوالہ جات

۱۔ الاستیعاب، ۲/۳۱۶
۲۔ قرطبی الاستیعاب۔ ۲/۲۱۶
۳۔ اصحاب بدر والمجاہدی الاولون، صفحہ ۱۰۱
۴۔ غایۃ النہابدتی طبقات۔ صفحہ ۵۴۸
۵۔ بلخی۔ ۵/۹۷
۶۔ اصابہ، ۲/۳۶۹ + استعیاب، ۲/۳۱۶
۷۔ حافظ۔ التعین والتبیین، ۱/۲۷۲
۸۔ جزری، صفحہ ۴۵۸
۹۔ جزری، صفحہ ۴۵۹
۱۰۔ زرکلی۔ الاعلام، ۴/۲۸۰
۱۱۔ الاصابہ۔ حرف الیقین
۱۲۔ جزری، صفحہ ۴۵۹ + ابن حجر، ۲/۳۶۹
۱۳۔ طبقات القراء، صفحہ ۴۵۸
۱۴۔ طبقات القراء صفحہ ۴۵۸
۱۵۔ استیعاب، ۲/۳۱۶
۱۶۔ الاستیعاب، ۲/۳۱۶
۱۷۔ تذکرۃ المفسری، صفحہ ۴۱
۱۸۔ غایۃ النہایۃ، صفحہ ۴۵۹
۱۹۔ اصابہ، ۲/۳۶۹ + استعیاب، ۲/۳۱۶
۲۰۔ استیعاب، ۲/۳۱۶
۲۱۔ استیعاب، ۲/۳۱۶
۲۲۔ استیعاب، ۲/۳۱۶
۲۳۔ استیعاب۔ ۲/۳۱۶
۲۴۔ ابن حجر، ۲/۳۱۶ + غایۃ النہایہ، صفحہ ۴۵۸

ڈاکٹر ظفر علی راجا

فرانس اور مغرب میں حجاب کا مسئلہ کیوں اٹھا؟

یورپ میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنی کہ خود اسلام کی تاریخ قدیم ہے۔ پہلی صدی ہجری ہی میں مسلمان یورپ میں پہنچ گئے تھے۔ اندلس کی فتح کے بعد اسلامی فوج جنوبی فرانس تک اپنی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑتی چلی گئی تھی۔ ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کا سانحہ ہوا تو مسلمانوں کی یہاں سے ہجرت کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ اس طرح پندرہویں اور سولہویں صدی تک کم از کم تین لاکھ مسلمان فرانس میں آباد ہوئے۔ ایک طرف مسلمانوں کی فرانس میں آمد کا یہ سلسلہ تھا اور دوسری جانب خود فرانس نے اپنے قرب وجوار میں اپنا سیاسی اثر ورسوخ اور اقتدار قائم کرنے کے لئے اپنی افواج کو استعمال کیا اور بہت سے مسلمان ممالک مثلاً شام، لبنان، الجزائر، مراکش، سینگال، موریطانیہ، تیونس اور متعدد افریقی ممالک پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ اس طرح ان ممالک کے مسلمان بھی کثرت سے فرانس میں آتے جاتے رہے۔ فرانس کی تعمیر وترقی میں مسلمان محنت کشوں کا کردار نہایت اہم ہے فرانس کی تاریخ گواہ ہے کہ نقل مکانی کر کے اس سرزمین پر آنے والے مسلمانوں نے نہ صرف فرانسیسی قوانین کا احترام ملحوظ خاطر رکھا بلکہ فرانس کے قومی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے کردار کا تعین کیا، فرانس نے بھی اس سلسلے میں کشادہ ظرفی کا مظاہرہ کیا اور اپنے ہر شہری کو دین اور اعتقاد کی آزادی کی ضمانت دی۔

۱۹۱۷ء میں فرانس میں باضابطہ طور پر ایک اسلامی کونسل کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۲۶ء کے دوران فرانس کے دارالحکومت پیرس میں ایک بڑی اور مرکزی مسجد تعمیر ہوئی۔ ۱۹۸۲ء میں مسلمانوں کو باقاعدہ قانون سازی کے ذریعہ مسلم تنظیمیں اور فلاحی ادارے رجسٹر کروانے کے حق دے دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں فرانس بھر میں لاتعداد تعلیمی ادارے، تربیتی مراکز اور مسلم ثقافتی سینٹر وجود میں آگئے جواب تک کامیابی سے کام کر رہے ہیں۔

انقلاب فرانس کے بعد سے فرانسیسی حکومت کا عمومی رویہ تحمل اور فراخ دلی کے اصولوں پر مشتمل رہا ہے۔ اور ماضی قریب میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اگر کسی ادارے یا فرد نے فرانس میں آباد مسلمانوں کی مذہبی آزادی پر کوئی قدغن لگانے کی کوشش کی تو خود حکومتی پریس کا نوٹس لیا گیا اور اس کوشش کو ناکام بنا دیا گیا۔

فرانس اور مسئلہ حجاب:

ایک مرتبہ ۱۸۸۹ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۹۲ء میں فرانس پر کچھ متعصب عناصر نے سکولرازم کے نام پر

مسلمان طالبات کو حجاب سے منع کرنے کی تحریک شروع کی تو عدلیہ سے منسلک اعلیٰ ترین ادارے اسٹیٹ کونسل نے فیصلہ صادر کیا اور قرار دیا کہ دینی شعائر کا اہتمام اور تسلسل فرانس میں قائم سیکولر نظام سے متصادم نہیں ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ حکومت میں موجود موثر حلقوں نے امریکہ میں ہونے والے نائن الیون واقعہ کے بعد اپنی رائے بدل لی ہے او رامریکہ نے اسلامی تہذیب کے خلاف درپردہ اور بظاہر دہشت گردی کے خاتمے کے لئے جو مہم شروع کی تھی، یورپ کے ترقی یافتہ ممالک نے اس میں اپنا کردار اس طرح ادا کرنے کا فیصلہ کیا ہے کہ وہ یورپ میں عرصہ دراز سے رہنے والے مسلمانوں کی طرز زندگی اور شعائر اسلامی پر مبنی اطوار و خصائل کو بدل ڈالنے کی مہم پر چلنے نکلے ہیں۔

اس مہم کا آغاز جرمنی اور فرانس سے کیا گیا۔ ۲۷ مارچ ۲۰۰۳ء کو پیرس کے قریب فرانس کی حکمراں جماعت کے ارکان اسمبلی اور وزراء کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں حجاب اور مذہبی علامات پر پابندی لگانے کے سلسلے میں غور وخوض کیا گیا۔ اطلاعات کے مطابق حکومتی جماعت کے ۹۰ فیصد ارکان نے ایسی پابندیوں کی حمایت کی۔ اجلاس کے بعد اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے فرانس کے وزیر اعظم جین پیری رافرین نے اعلان کیا کہ حکومت سرکاری اداروں میں کام کرنے والی مسلم خواتین پر یہ پابندی عائد کرنے کا پروگرام بنا رہی ہے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران حجاب ترک کردیں۔ انہوں نے کہا کہ اس مقصد کے لئے باقاعدہ قانون سازی کی جائے گی تا کہ لباس میں سیاسی تعلق یا مذہبی لگاؤ کے تمام نشانات کو مٹایا جاسکے۔ فرانسیسی سیکولرازم کی حفاظت کی جاسکے اور فرانس میں بسنے والی تمام خواتین کو ''بنیاد پرستی کے دباؤ'' سے محفوظ رکھا جاسکے۔

وزیر اعظم فرانس نے اسلام کے خلاف تہذیبی جنگ پر رہبان سازی کا پردہ ڈالنے کے لئے مزید وضاحت کی کہ حجاب کے خلاف یہ قانون کسی مذہب کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا مقصد وحید عورتوں کو پابندیوں سے آزاد کروانا ہے۔ اس کے بعد فرانسیسی حکومت کے ایک سابق وزیر برنر سٹازے کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور اسے پردہ کے مسئلے کا جائزہ لے کر اپنی رپورٹ پیش کرنے کا فریضہ تفویض کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ فرانس کے سیاست دانوں کی جانب سے حجاب کی مخالفت میں ایک مہم کا آغاز کردیا گیا۔ حکومتی جماعت کے چیئرمین اور سابق وزیر اعظم فرانس السین جپٹی نے کہا کہ سرکاری اسکولوں میں مذہبی علامات کی نمائش اور استعمال کے خلاف ایک سخت گیر قانون وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ فرانس کے سابق وزیر تعلیم کلوڈ الاجر نے حجاب کے مسئلے پر ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سیکولرازم کو اسلام کے مطابق نہیں ڈھلنا بلکہ اسلام کو فرانسیسی سیکولرازم کے مطابق ڈھلنا ہوگا۔ فرانسیسی قیادت کی جانب سے مذکورہ بالا طرز کے بیانات سے فرانسیسی معاشرے میں بہت سے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور 'خاص مذہبی علامات' جیسی اصطلاحات پر بحث عروج پر ہے۔ ایسے سوالات بھی اٹھائے جارہے ہیں کہ کیا حجاب کے بعد داڑھیوں' خاص طرز سے بال بڑھانے اور سکھوں کی پگڑیوں پر بھی پابندی لگائی جائے گی' اس ضمن

میں فرانس کے وزیر تعلیم لک فیری کے اس بیان کو مرکزی نقطہ بحث بنایا جا رہا ہے جس میں انہوں نے پابندی کے قانون کی حمایت کرتے ہوئے سکھوں کے حوالے سے کہا کہ پابندی کا دائرہ وسیع ہوا تو سکھوں کو غیر مرئی یعنی نظر نہ آنے والی پگڑیوں کا انتظام کرنا ہوگا۔ فرانس کے صدر ژاک شیراک نے تیونس کے دورے کے دوران ایک تقریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا:

''مکمل سیکولر فرانسیسی حکومت طالبات کو اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ اپنے ہدایت یافتہ ہونے کا اعلان کرتی پھریں۔ حجاب میں جارحیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ فرانس میں مسلمانوں کی اکثریت سے ہمیں کوئی شکوہ نہیں ہے اور ہماری حکومت فرانس میں ہجرت کر کے آنے والوں کو اپنے ماحول اور معاشرے میں ڈھالنے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔ لیکن ظاہری مذہبی علامتوں کے ذریعے دوسروں کو کھلم کھلا اپنے دین کی طرف بلانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔''

فرانسیسی حکومت کی جانب سے قائم کی جانے والی برنرسٹازے کمیٹی نے ۱۱ر دسمبر ۲۰۰۳ء کو اپنی سفارشات حکومت پیش کیں۔ ان سفارشات میں حجاب کو دینی علامت گردانتے ہوئے اسے ممنوع قرار دینے کی سفارش کی گئی تھی۔ حجاب کے ساتھ ساتھ مذکورہ کمیٹی نے عیسائیوں کی صلیب کے نشان اور یہودیوں کی مخصوص ٹوپی کو بھی دینی علامت قرار دیتے ہوئے تعلیمی اداروں میں ان سب چیزوں کی ممانعت کی سفارش کی۔ البتہ عید الاضحیٰ پر فرانس میں بسنے والے مسلمانوں اور عید غفر پر عیسائیوں کے لئے سرکاری تعطیل کرنے کی بھی سفارش کی۔

کمیٹی کی سفارشات آتے ہی یورپی مسلمان دنیا میں عمومی طور اور فرانس میں خصوصی طور پر ایک وسیع احتجاج کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ دس ہزار سے زائد مسلمان فرانسیسی خواتین نے کمیٹی سفارشات کے خلاف احتجاجی جلوس نکالا۔ جبکہ فرانس میں بسنے والے تین ہزار سکھ نمائندگان نے بھی حکومت کو احتجاجی یادداشت پیش کی۔ جس میں کہا گیا تھا کہ فرانس میں رہنے والے سکھوں کے خلاف نہ تو دہشت گردی کا کوئی الزام ہے اور نہ ہی یہ لوگ بنیاد پرست ہیں۔ اس لئے اگر بال اور داڑھیاں کٹوانے پر مجبور کیا گیا یا پگڑیوں پر پابندی عائد کی گئی تو یہ ان کی مذہبی آزادی میں ایک صریح مداخلت کے مترادف ہوگا۔

مسلم دنیا کا ردعمل:

اس کے ساتھ ہی پوری دنیا کے مسلم ممالک میں ردعمل ظاہر ہونا شروع ہوا۔ مصر کے موثر اور معروف اسلامی گروہ الاخوان المسلمون کی طرف سے ایک سخت بیان میں کہا گیا ہے کہ فرانس کا یہ قانون مسلمانوں کی ذاتی اور مذہبی آزادی پر ایک ناروا قدغن کا درجہ رکھتا ہے۔ ایران کے صدر محمد خاتمی نے اپنے احتجاجی بیان میں حجاب جیسی مذہبی علامت پر پابندی کی مذمت کرتے ہوئے حکومت فرانس سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے فیصلے پر فوری نظر ثانی کرے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کی خاتون ارکان نے ۲۸ر جنوری ۲۰۰۴ء کو فرانسیسی سفارت خانہ اسلام آباد کے سامنے احتجاجی

مظاہرہ کیا اور حکومت فرانس سے مطالبہ کیا کہ حجاب پر پابندی سے متعلق اپنے فیصلے پر نظرثانی کرے۔ اس موقع پر فرانس کے سفیر کو ایک یادداشت بھی پیش کی گئی۔ جس میں کہا گیا تھا کہ حکومت فرانس بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری کرے اور کسی مذہب یا نسل یا کلچر کا امتیاز کئے بغیر فرانس میں رہائش پذیر تمام لوگوں کو یکساں حقوق مہیا کرے۔ جماعت اسلامی پاکستان نے ایک قرارداد میں حکومت فرانس سے مطالبہ کیا کہ وہ اظہار کی آزادی' دینی کی آزادی' ضمیر کی آزادی اور طرز بود و باش کی آزادی جیسے اپنے اصولوں سے انحراف نہ کرے اور ہر مذہب کے پیروکاروں کو اپنے اپنے عقائد کے مطابق تبلیغ کرنے اس سے شعائر کو زیر عمل لانے اور اپنی عبادات کو اپنے طریقوں کے مطابق بجالانے پر کسی طرح کی پابندیاں لگانے سے باز رہے۔ قرارداد میں یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ حجاب پر پابندی کے نتیجے میں بے شمار مسلمان عورتیں تعلیم اور ملازمت کے مواقع سے محروم ہو جائیں گی۔ جو سراسر ایک ناانصافی ہوگی۔

۳۰ رجنوری کو الجزائر کی 'الجیرین اسلامک پارٹی' نے فرانسیسی سفارت خانے میں یادداشت پیش کی جس میں کہا گیا کہ پابندی کا مجوزہ قانون بجائے خود انتہا پسندی کی ایک مثال ہے لہذا اس کے نفاذ سے پرہیز کیا جانا چاہیے۔

اس سے قبل جنوری ۲۰۰۴ء کے دوسرے ہفتے میں براعظم امریکہ اور یورپ کے بہت سے ممالک میں قائم مسلمان اداروں اور تنظیموں کی طرف سا بھی مربوط اور منظم احتجاجی مظاہرے ترتیب دیئے گئے۔ یہ مظاہرے امریکہ اور کینیڈا میں زیر تعلیم مسلمان طلباء کی سب سے بڑی تنظیم ''مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن'' کی جانب سے منعقد کئے گئے۔ اس تنظیم کے زیر انتظام واشنگٹن' اٹلانٹا' ہیوسٹن' میامی' سان فرانسسکو' ٹورنٹو کے علاوہ برطانیہ اور جرمنی کے مختلف شہروں میں جو مظاہرہ کئے گئے' ان مظاہروں میں مسلم طلباء کے علاوہ انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کے لئے کام کرنے والی بہت سی مشہور متحرک اور غیر مسلم تنظیموں نے بھی شرکت کی۔

فرانس سمیت دنیا بھر میں ہونے والے ان مظاہروں کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے فرانس کے صدر شیراک نے برنرسٹازے کمیٹی کی مرتب کردہ تجاویز کی پُرزور حمایت کی اور کہا کہ انہیں امید ہے کہ حکومت فرانس آئندہ کیلنڈر سال شروع ہوتے ہوئے ان پابندیوں کو قانونی شکل دے دے گی۔ اس طرح یہودی ٹوپیوں' بڑی کرسچین صلیبوں اور حجاب کا ملبوساتی استعمال غیر قانونی قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح اسکولوں میں زیر تعلیم مسلمان طالبات آئندہ سال کے اوائل سے حجاب نہ پہننے کی پابند قرار پائیں گی' پابندیوں سے متعلق اس بل کی کابینہ میں منظوری کے بعد فرانس کے وزیر اعظم ژاک شیرک نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اس بل سے فرانس کے اسکولوں کی غیر جانبداری مستحکم ہوگی۔ اس بل کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کے زیر اثر عام زندگی میں روزمرہ مذہبی علامات کے استعمال کو ممنوع قرار دیا جارہا ہے۔ یہ پابندی صرف اسکولوں کی حد تک

نافذ کی جارہی ہے۔ اس اقدام سے ہماری تاریخ، ہماری روایات اور ہماری اقدار کو تحفظ فراہم ہوگا اور یہ سب کچھ ہم پوری ذمہ داری سے کررہے ہیں تاکہ دین اور حکومت کو علیحدہ علیحدہ رکھ کر فرانسیسی سیکولرازم کو مضبوط بنایا جاسکے۔"

جرمنی:

فرانس کے بعد جو یورپی ملک حجاب پر پابندی کے سلسلے میں سرگرم ہے وہ جرمنی ہے۔ جرمنی کے چانسلر نے ایک بیان میں کہا کہ حجاب پر پابندی کے قانون کا نفاذ ہمارے ۲۰۰۴ء کے ایجنڈے میں شامل ہے۔ جرمن اخبارات کے مطابق صدر جوہانسگر ہارڈ کا خیال ہے کہ جرمنی کی تمام ریاستوں کو حجاب پر پابندی کے قانون کے دائرہ کار میں لانا ضروری ہے۔

جرمنی کی سب سے بڑی اور قدامت پسند ریاست بویریا میں بھی اسکولوں میں حجاب پر پابندی سے متعلق ایک مسودہ قانون تیار کیا گیا ہے۔ لیکن فرانس کے برعکس اس مجوزہ قانون میں عیسائیوں اور یہودیوں پر کوئی پابندی نہیں ہوگی اور وہ صلیب یا خصوصی ٹوپی پہن سکیں گے۔ بویریا کی وزیر تعلیم مونیکا ہولمائرے نے مجوزہ قانون کے حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے ایک بیان میں کہا کہ بوئریا میں سیاسی اور مذہبی علامت کے طور پر حجاب کا استعمال فزوں تر ہوتا چلا جارہا ہے اور اگر اس پر پابندی نہ لگائی گئی تو خدشہ ہے کہ طلبہ مذہبی شدت پسندی کا شکار نہ ہونے لگیں۔ انہوں نے کہے کہ یہ قانون طلبا کے والدین اور سرپرستوں کی اکثریت کے مطالبے و وضع کیا جارہا ہے۔

بویریا کے آئین کے مطابق وہاں کوئی بھی قانون علاقائی پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن پارلیمنٹ میں کٹر کرسچین یونین پارٹی کی اکثریت کی وجہ سے مجوزہ قانون کی منظوری کو محض ایک رسمی کاروائی قرار دیا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے قبل جرمنی ہی کی اک اور ریاست **Baden-Wuerrmderg** میں بھی حجاب پر پابندی کا مسودہ قانون پیش کیا جاچکا ہے۔ اس کے علاوہ جرمنی ہی کے ایک شہر **Darrmastard** میں جرمنی کی سولہ ریاستوں کے وزرائے تعلیم، ثقافت و مذہبی امور کا اجلاس منعقد ہوچکا ہے جس میں حجاب کے مسئلے پر تفصیلی بحث مباحثے کے بعد ۱۶ میں سے ۷ ریاستوں نے حجاب پر پابندی لگانے کی حمایت کی۔ جرمنی کے سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ ۲۰۰۴ء کے دوران حجاب پر پابندی کے قانون کو جرمنی کے اکثریتی علاقوں میں ایکٹ شف پارلیمنٹ کے ذریعے نافذ کردیا جائے گا۔ اس سے قبل جرمنی کے تیرہ صوبوں میں سے سات میں مسلمان استانیوں پر پہلے ہی یہ پابندی عائد کی جاچکی ہے کہ وہ تعلیمی اداروں میں حجاب پہن کر نہ آیا کریں۔ جب کہ بہت سے اسکولوں میں طالبات سے بھی کہا جاچکا ہے کہ اگر انہیں تعلیم جاری رکھنا ہے تو وہ اسکارف پہن کر اسکول میں نہ آیا کریں، یاد رہے کہ جرمنی کے آئین کے آرٹیکل ۴ کی رو سے جرمنی میں رہائش پذیر ہر فرد کو اپنے مذہبی شعار کے مطابق زندگی گزارنے کی ضمانت مہیا کی گئی ہے۔

ناروے:

ناروے کی حکومت بھی فرانس اور جرمنی کے زیر اثر حجاب پر پابندی لگانے کے معاملے کو رفتہ رفتہ آگے بڑھا رہی ہے۔لیکن بنیادی انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والی تنظیموں کے دباؤ کے سبب اس پابندی کو فی الحال تجارتی مراکز اور سپر اسٹورز پر کم کرنا والی مسلمان خواتین تک محدود رکھنے پر غور کررہی ہے۔اس محدود پابندی پر ناروے کے عوام کا ردعمل جاننے اور پرکھنے کے بعد مزید اقدامات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ناروے کے ایک وزیر کا بیان اس دباؤ کا مظہر ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ناروے حکومت مذہب کی بنید پر امتیازات اجاگر کرنے کے خلاف ہے' لیکن جہاں تک حجاب کا معاملہ ہے تو اس کا استعمال بظاہر قابل اعتراض نہیں ہے لیکن اگر اس سے ہائی جین اور انسانی صحت کو کچھ مسائل درپیش ہوں تو حجاب پر پابندی لگائی جاسکتی ہے۔

بلجیئم:

ناروے کے وزیر نے حجاب پر پابندی کے لئے اس کے ہائی جین اثرات اور انسانی صحت کو لاحق ان دیکھے خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے تو بلجیئم میں ایک نئے جواز کو حجاب پر پابندی کی بنیاد بنایا جارہا ہے۔بلجیئم کے حجاب مخالف حلقے اسلامی شدت پسندی کے علاوہ یہ اعتراض بھی پیش کررہے ہیں کہ پاسپورٹ اور شناختی کارڈوں کے اجراء میں تمام خواتین کا ننگے ہونا ضروری ہے تاکہ ان کی درست شناخت میں کسی ابہام یا شک وشبے کی گنجائش نہ رہے۔

سویڈن:

یورپ کے آزاد خیال ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے۔اس ملک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں انسانی آزادیوں پر کسی طرح کی قدغن لگانا بنیادی انسانی حقوق کے یکسر خلاف سمجھا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب کے لوگ اس ملک میں امن وسکون سے زندگی بسر کررہے ہیں۔لیکن بین الاقوامی اخبارات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ سویڈن میں بھی حجاب مخالف قوتوں نے قومی سطح پر اس مسئلے کے حوالے سے مباحثہ کا آغاز کردیا ہے اور حجاب پر پابندی کے مختلف منصوبے تیار کئے جارہے ہیں۔

مسلم ممالک میں حجاب پر پابندی:

حجاب سے متعلق مغربی ممالک کا مندرجہ بالا رویہ درست ہے یا غلط؟..........اس بحث کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ حجاب کے حق میں بات کرتے ہوئے علمائے کرام سب سے بڑی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حجاب مسلمان عورتوں کے محض لباس کا ایک حصہ نہیں ہے بلکہ حجاب میں رہنا ایک مسلمان عورت کے مذہبی فرائض میں داخل ہے' مرغبی ممالک کے دانشوروں اور حجاب مخالف حلقے اس دلیل کے جواب میں بہت سے اسلامی ممالک کی مثال پیش کرتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں کہ اگر خود بعض اسلامی ممالک میں حجاب پر پابندی کے قوانین اور ضوابط موجود ہیں تو مغرب کے ان

ممالک پر انگشت نمائی کیوں؟ جہاں نہ تو مسلمانوں کی حکومت ہے اور نہ ہی ان کا معاشرہ حجاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ معترض حلقوں کا کہنا ہے کہ فرانس میں تو صرف سرکاری اسکولوں کی حد تک طالبات کو پابند کیا جارہا ہے کہ وہ حجاب ترک کردیں۔ لیکن اس کے برعکس شمالی افریقہ کے مسلم ممالک میں مدارس سے آگے بڑھ کر یونیورسٹیوں تک میں حجاب پر پابندی عائد ہے۔ مزید یہ کہ سرکاری اور پرائیویٹ دفاتر میں بھی کسی مسلمان عورت کو حجاب میں فرائض سرانجام دینے کی اجازت نہیں ہے۔ حد تو یہ ہے کہ باحجاب خواتین کا سرکاری اسپتالوں میں علاج تک کرنے سے انکار کردیا جاتا ہے۔ عوام سے درخواست کی جاتی ہے کہ ان ٹیکسی کاروں میں سفر نہ کریں جن کی ڈرائیور باحجاب عورتیں ہیں۔

فرانس میں حجاب پر پابندی کے خلاف مسلمان عورتوں نے جلوس نکالے تو فرانسیسی اخبارات نے تحقیقی مضامین شائع کیے اور ''بے پردہ تیونس'' کے عنوان سے جلی سرخیوں والے اخبارات عوام میں مفت تقسیم کیے گئے۔ ان اخبارات نے انکشاف کیا کہ مسلم تیونس کے آئین کی شق نمبر ۱۰۸ حجاب پر پابندی لاگو کرتی ہے۔ اس شق کی روشنی میں حجاب والی خواتین کو تعلیم، ملازمت اور علاج کے حق سے محروم کردیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں ترکی کی مثال بھی نمایاں ہے۔ جہاں ملک کی اعلیٰ ترین تعلیمی کونسل کے احکامات کے تحت اسکارف پہننے پر پابندیاں عائد ہیں اور اسکول، یونیورسٹی اور سرکاری دفاتر میں خواتین کے لئے حجاب پہننا قانوناً ممنوع ہے۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء میں ہونے والا ایک واقعہ بھی اس سلسلے میں مثال کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ جب ترکی کے صدر نے حکمران جماعت کے وزراء اور ارکان کو دعوت دی۔ لیکن ان وزراء اور ارکان پارلیمنٹ کی بیگمات کو دعوت میں بلانے سے انکار کردیا جو حجاب کی پابندی کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں جن باحجاب خواتین کو ترکی کے صدر نے نظرانداز کیا ان میں وزیراعظم اور ترکی کے آئینی کورٹ کے چیئرمین جیسی اہم شخصیات کی بیگمات بھی شامل تھیں۔ صدر نے اپنے اس اقدام کا جواز بتاتے ہوئے کہا کہ صدر سیکولر نظام کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں اور آئین میں درج سیکولرازم کے تحت جمہوری حقوق کے نگہبان ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حجاب پہننے اور اس کی سرکاری تقریبات میں نمائش سے ایک سیاسی اسلام اور اسکے غلبے کا تصور اجاگر ہوتا ہے۔

اس ضمن میں گاہے گاہے پاکستان کی بات بھی اب ہونے لگی ہے اور کہا جانے لگا ہے کہ پاکستان بھی اپنی قومی ہوائی سروس پی آئی اے میں کام کرنے والی خواتین کو دوپٹہ کی پابندی سے آزاد کرنے کے لئے ضوابط تیار کررہا ہے۔ حجاب مخالف مہم میں مصر کے مفتی ازہر شیخ محمد سعید طنطاوی کا ''فتویٰ'' بھی شدومد سے پیش کیا جارہا ہے۔ جس میں انہوں نے کہا ہے:

''اسکارف کے خلاف احکامات فرانس کا اندرونی مسئلہ ہے، ہم مداخلت نہیں کرسکتے۔ فرانس کو اپنی مرضی کے مطابق قانون سازی کا حق ہے، جو مسلمان خواتین فرانس میں رہتی ہیں، وہ اضطرار کی حالت میں اسکارف چھوڑسکتی

ہیں۔"

اس کے برعکس ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر نے فرانس کی حجاب پالیسی کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مسلم خواتین کو یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق سر پر اسکارف کا استعمال کرسکیں' انہوں ں ے کہا کہ امریکہ میں مسلمان خواتین کو اس امر کی آزادی حاصل ہے۔

اگر مذکورہ بالا ساری بحث کو سمیٹا جائے تو حاصل کلام یہ ہے کہ تمام مسلمان ممالک کے احتجاج کے باوجود فرانس میں اس سال ایک ایسا قانون لاگو کیا گیا ہے جس کے تحت مسلمان طالبات اسکولوں میں اور مسلمان خواتین سرکاری دفاتر میں حاضری کے دوران حجاب استعمال کرنے کے حق سے محروم ہو جائیں گی۔اسی سال اس پابندی کا دائرہ ناروے' بلجیئم اور سویڈن تک پھیل سکتا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس گھمبیر اور سنجیدہ صورتحال میں کیا کیا جائے اور اگر کچھ کرنا ہے تو یہ کون کرے.........؟

<u>پس چہ باید کرد؟</u>

ہماری رائے میں مسلمان ممالک کو فرانس اور دوسرے یورپی ممالک کے خلاف تحریک کا آغاز نہیں کرنا چاہیے۔اس اقدام سے حجاب کے خلاف مہم کو حجاب مخالف عنصار آسانی سے مسلم اور غیر مسلم تہذیبوں کی جنگ ہی کا ایک حصہ قرار دے سکتے ہیں۔ جب کہ اس مہم کی کامیابی کے امکانات صرف اس صورت میں ہیں جب کہ اسے اسلام اور کفر کے دائرے سے نکال کر خالصتاً انسانی حقوق اور شخصی آزادیوں کے اصول کے تحت آگے بڑھایا جائے۔یہ درست ہے کہ حجاب ہمارے دینی شعائر کا حصہ ہے اور وہ محض ایک ملبوساتی علامت یا پہناوا نہیں ہے۔لیکن اسلام سے متصادم مغرب میں یہ دلیل شاید ہی کوئی پذیرائی حاصل کر سکے۔

اگر حجاب کے خلاف پابندیوں کو ان ممالک کے اپنے دساتیر اور قوانین کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ کے اس چارٹر کے حوالے سے چیلنج کیا جائے جس پر تمام ترقی یافتہ ممالک نے دستخط کر رکھے ہیں تو عالمی سطح پر جذبات کو برانگیختہ کئے بغیر بہتر نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں اور غیر مسلم لیکن بڑی اور بین الاقوامی طور پر موثر این' جی' اوز (NGOS) کو بھی حجاب کے حق میں متحرک کیا جاسکتا ہے۔خوش قسمتی سے فرانس کے حجاب مخالف قانون کی زد میں یہودی' سکھ اور رومن کیتھولک عیسائی بھی آرہے ہیں۔جو اپنے لباس کے ساتھ بڑے سائز کی صلیب آویزاں کرنے کا شعار اپنائے ہوئے ہیں۔اگر انسانی بنیادوں پر اس قانون کی مخالفت کی جائے تو عیسائیوں کے روحانی مرکز ویٹیکن سٹی' یورپ میں قائم تمام سکھ تنظیموں اور غیر مسلم لیکن انسانی حقوق کے علم بردار اداروں کی ہمدردیاں بھی حاصل کی جاسکتی ہیں اور اقوام متحدہ کے متفقہ طور پر جاری کردہ 'یونیورسل ڈکلریشن آف ہیومن رائٹس' کے آرٹیکل ۱۸ کی مدد بھی لی جاسکتی ہے۔جس میں بنیادی انسانی حقوق اور شخصی آزادی کے ساتھ ساتھ مذہبی آزادی کے احترام کی گارنٹی بھی دی گئی ہے۔فرانس' جرمنی'

سویڈن، بلجیئم اور ناروے میں وہاں کے قوانین کے مطابق رجسٹرڈ اور تسلیم شدہ اداروں مثلاً سرکاری طور پر تسلیم شدہ اسلامی کونسل، اور مسلم ثقافتی سینٹروں کو چاہیے کہ وہ مذکورہ ممالک کے دائرہ قانون میں رہتے ہوئے قابل ترین قانون دانوں کی خدمت حاصل کریں اور ہر ملک کی وزارتِ تعلیم وثقافت کے سامنے اپنے کیس پیش کر کے حجاب پر پابندی کے ضوابط کو خود ان ممالک کے آئین اور قوانین سے متصادم قرار دلوائیں۔

یورپ کے ان ممالک میں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، مسلمانوں کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ سیاسی طور پر اسے ہرگز نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان ممالک کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ آئندہ الیکشن میں اپنا ووٹ حجاب مخالف لیڈروں اور جماعتوں کے خلاف ڈالنے کا واضح عندیہ دے دیں۔ اس حربے سے کم از کم فرانس اور جرمنی میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور اس مجوزہ کامیابی کے امکانات ان ممالک کی سیاسی فضا میں پہلے ہی سے اپنی جھلک دکھا رہے ہیں۔

حجاب پر پابندی کی مخالفت:

فرانس کے ایک مقتدر اخبار ''لی فگارو'' نے فروری ۲۰۰۴ء کی اپنی ایک اشاعت میں صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فرانس کے ایک اہم وزیر نے اپنا وزیر نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر کہا ہے کہ حجاب پر پابندی سے فرانس کی خارجہ پالیسی پر برے اثرات مرتب ہوں گے اور اگر ایسا کیا گیا تو حکومت کی جانب سے یہ ایک غلط اقدام ہوگا۔ کیونکہ بین الاقوامی تناظر میں یہ مسئلہ انتہائی حساس نوعیت اختیار کر چکا ہے۔ اسی طرح جرمنی کے ایک معتبر سیاسی رہنما شعائر کے درست یا نادرست ہونے کا فیصلہ کرتی پھرے یا پھر کسی مذہبی روایت سے امتیازی سلوک کو روا رکھے۔'' ''لی فگارو'' نے لکھا ہے کہ اگر جرمنی کے صدر اس اصول کو اپناتے ہیں تو انہیں اگرچہ حجاب مخالف قوتوں کی جانب سے تنقید کا نشانہ بننا پڑے گا لیکن وہ راست باز اور بہادر رہنما کی حیثیت سے تادیر یاد رکھے جائیں گے۔

جرمنی ہی کے روزنامہ **Die Welt** کا تجزیہ ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ صلیب انسانی آزادی اور امن کا نشان ہے اور حجاب محض ایک دینی اور سیاسی علامت ہے تو بھی حجاب پر پابندی سے معاشرے میں ایک مکمل بے دین سیکولرازم کے پھیلاؤ کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ اس لحاظ سے ان سیاسی قوتوں کا استدلال زیادہ بہتر اور مضبوط دکھائی دیتا ہے جو حجاب پر پابندی کی مخالفت کر رہی ہیں بہ نسبت ان عناصر کے جو جنونی طور پر حجاب مخالفت میں مہم چلا رہے ہیں، فرانس کے وزیر خارجہ جنوری ۲۰۰۴ء کے آخری ہفتے میں دبئی کے دورے پر آئے تو اخبار نویسوں نے ان سے حجاب پر پابندی کے حوالے سے سوالات کئے۔ ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے وزیر موصوف مسٹر ڈومنک ویلی پن **(Dominique Villepin)** نے کہا فرانس ایک جمہوریت نواز ملک ہے اور انسانی حقوق کا احترام اس کے منشور میں شامل ہے اور ہم نے فرانس میں مسلم معاملات سے متعلق ایک اعلیٰ اختیاراتی کونسل بنا رکھی ہے۔

جس کا نام "Consil Franciais Du Culte Musalman" ہے۔اس کونسل میں شامل مسلمان لیڈروں سے ہم نے مسلسل کئی ماہ تک بڑا تفصیلی اور دوررس مکالمہ جاری رہا ہے۔اس کونسل کے قیام کا مقصد ہی اسلام اور فرانسیسی حکومت کے درمیان اچھے تعلقات کو استوار رکھنا ہے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ اسلام کا فرانس میں حقیقی طور پر ایک اہم مقام ہے اور وہاں اس مذہب کا احترام کیا جاتا ہے۔فرانس کی قومی پالیسی کا مرکزی نقطہ بھی یہی ہے کہ مذہب' اعتقادات اور دینی شعائر کے معاملے میں غیر جانبدار رہا جائے اور ہم اسی غیر جانبداری کی روایت کو فرانس میں بسنے والے تمام شہریوں کے درمیان مساوات کے اصولوں کے مطابق آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔فرانس میں مذہبی علامات پر پابندی کا جو قانون وضع کیا جارہا ہے وہ اسی تاریخی روایت کا حصہ ہے۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس قانون کا نشانہ بطور خاص اسلام ہے اور دراصل یہ پابندی صرف حجاب کے خلاف لگائی جارہی ہے۔

وزیر موصوف نے زور دے کر کہا کہ میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسکارف پہنے پر مکمل پابندی ہرگز عائد نہیں کی جارہی ہے۔ یہ پابندی صرف سرکاری اسکولوں اور حکومتی ملازمین پر عائد ہوگی اور وہ بھی صرف اس وقت تک جب تک طالبات اسکول میں پڑھیں گی' یا پھر مسلم ملازم خواتین کے دفاتر کے اوقات تک محدود رہے گی۔ پرائیویٹ سکول' یونیورسٹیاں' سرکاری عمارت اور مقامات پر یہ پابندی غیر موثر رہے گی اور مسلمان طالبات اور خواتین حسب معمول حجاب استعمال کرنے میں پوری طرح آزاد ہوں گی۔

فرانسیسی اخبار' لی فگارو' نے اپنے ایک اور تبصرے میں لکھا ہے کہ جب حجاب پر پابندی کا قانون پارلیمنٹ میں پیش ہوگا تو اس پر سیاسی اختلاف رائے کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ حکومت میں شامل سینئر رائٹ ارکان اس کی حمایت یا مخالفت میں تین یا چار گروہوں میں بٹ جائیں۔اگر چہ حجاب کے معاملے پر وسیع پیمانے کی بحث مذہبی جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اہم ہے اور سیکولرازم کی برتری کے لئے ضروری ہے' لیکن حجاب پر پابندی کے مجوزہ قانون کی مخالفت کرنے والی قوتیں بھی بہت مضبوط ہیں اور اگر یہ سب ایک جگہ جمع کہوں گئیں تو فرانسیسی سیاست میں موثر کردار ادا کرنے والے ''فار رائٹ نیشنل فرنٹ'' کے لئے یہ ایک سیاسی تحفہ ہوگا۔

اس سارے پس منظر سے ایک اور اہم سیاسی پہلو بھی ابھرتا ہے۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ فرانس میں آباد مسلم آبادی کا تعلق اپنے آبائی وطن کے حوالے سے بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔مثلاً فرانس میں بسنے والے مسلمان پوری مسلم دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔جن میں شام' عراق' لبنان' الجزائر' مراکش' موریطانیہ' سینگال' تیونس' پاکستان اور بنگلہ دیش کے مسلمان شامل ہیں' ان تمام ممالک سے فرانس کے اقتصادی' تجارتی اور سیاسی روابط قائم ہیں۔اگر یورپ میں رہنے والی تسلیم شدہ تنظیمیں سیاسی سطح پر اس تاثر کو ابھار سکیں کہ حجاب پر پابندی کا قنون فرانس اور دنیا بھر کے مسلمان ممالک کے درمیان دوستانہ روابط کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے تو اس سے فرانس کی رائے عامہ اور سیاست میں موثر تجارتی

حلقوں کو مذکورہ قانون کے خلاف خالصتاً سیاسی، تجارتی اور بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے بھی متحرک کیا جاسکتا ہے۔اور اس مقصد کے لئے فرانسیسی عوام کی اس تہذیبی نفسیات سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جس کے زیر اثر فرانسیسی اپنے آپ کو تہذیب روشن اور کشادہ ظرفی کا نقیب خیال کرتے ہیں اور وسیع خیالی کو اپنا شعار قرار دیتے ہیں۔

فرانسیسی انقلابِ فرانس کی بہت تعریف کرتے ہیں اور انقلاب کے بعد یعنی اٹھارہویں صدی سے فخر کے ساتھ پوری دنیا کو یہ جتانے سے گریز نہیں کرتے کہ رواداری، مساوات اور حریت انقلابِ فرانس کے بنیادی اصول ہیں اور انہی اصولوں پر چل کر فرانس نے جدید دنیا میں موجودہ اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے۔انقلاب فرانس کے ان بنیادی اصولوں پر اصرار اور فرانس کی مذہبی مداخلت سے بھری آئینی تشریحات کو بنیاد بنا کر اگر فرانس میں حجاب کو برقرار رکھنے کے حق میں کوئی تحریک شروع کی جائے جس کا مرکز فرانس ہی میں ہو تو قوی امکان ہے کہ وہاں اسلام کو ایک شدت پسند مذہب کے طور پر پیش کرنے والے فرانسیسی عناصر خود اپنے آئین، اپنے قانون اور اپنے اصولوں کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوسکتے ہیں۔اور اس حجاب پر پابندی کو بالاخر ختم کروایا جاسکتا ہے یا اسے صرف سرکاری اسکولوں اور سرکاری دفاتر تک محدود رکھ کر یورپ میں بسنے والی مسلمان عورتوں کی زندگی کے شب و روز کے ہر لمحے تک محیط ہونے کے عمل کو روکا جاسکتا ہے اور حجاب پر پابندی کے اس ناپسندیدہ قانون کو پہلے قدم پر ہی زنجیر ڈال کر اگلے اقدامات سے باز رکھا جاسکتا ہے۔

(بقیہ ۱۵ صفحہ سے)

ہے جس گھڑی میں عبادت کرنے کا یہ انتظار کرے اس وقت اس پر زندہ کے لفظ کا اطلاق ہی نہ ہو بلکہ مردہ کے نام سے پکارا جائے۔یہ بات ہر وقت پیش نظر رہے کہ جب دل میں اللہ کی عبادت اور نیکی کا حصول کا داعیہ پیدا ہو تو وہ وقت اگر اس عبادت کے لئے موزون ہے، تو فوراً اس پر عمل پیرا ہو اس میں تاخیر اور کسی آئندہ وقت میں اس کے حاصل کرنے کا روادار قطعاً نہ ہو۔

اگلے وقت پر ٹالنے کی ترغیب شیطان کی طرف سے اس کی انسان و مسلمان کے ساتھ ازلی دشمنی کا ایک پر فریب حربہ ہوتا ہے، کیونکہ اول تو خطبہ کی ابتداء میں ذکر کردہ احادیث اور قرآنی احکامات کی رو سے یہ واضح ہے، ہ جس وقت کے لئے شیطان لعین اس کو ٹال رہا ہے یقین نہیں کہ اس وقت یہ زندہ بھی ہوگا یا نہیں اور اگر زندہ بھی ہو تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اس وقت اس کے عبادت و نیکی کا جوشوق پیدا ہوا ہو۔آئندہ وہی جذبہ باقی بھی رہے گا یا نہیں۔

مولانا الیاس نعمانی، انڈیا

حج اور دربار کریمی

لیجئے، حج کا زمانہ آ گیا، کریم و رحیم پروردگار نے پھر اپنا دربار سجایا اور لاکھوں نصیبہ ور بندگان خدا اس میں حاضری دینے کو پابہ رکاب ہوئے، حج کی تاریخیں آئیں گی، یہ دیوانے عام سلے کپڑے چھوڑ کر کفن نما دو چادریں لپیٹ لیں گے اور کریم رب کے دربار میں حاضر ہوں گے، ننگے سر کہ اس کو ڈھکنے سے آج محبوب حقیقی نے روک رکھا ہے، زلف پریشاں، کہ کنگھا کرنا بھی آج اسے پسند نہیں، نہ بالوں پر تیل، نہ کپڑوں پر خوشبو، کہ زیب و زینت کا بھی عالم دیوانگی و وارفتگی میں ہوش کہاں، یہ دیوانے ہوں گے، اور اس کریم کا گھر، اسی کے گرد چکر لگائیں گے، اسی کو چومیں گے اور اسی کو پکڑ کر روئیں گے۔ اس کی دیواروں سے لپیٹیں گے، بلبلائیں گے اور آہ و زاری کریں گے، پھر حکم ہوگا کہ اب صفا اور مروہ کے درمیان دوڑو، یہ دیوانے وہاں پہنچیں گے، اور ان کے پھیرے لگائیں گے، اسی پر بس نہ کریں گے بلکہ شہر سے دور مختلف صحراؤں میں جا پڑیں گے کبھی منیٰ کبھی مزدلفہ تو کبھی عرفات یہ سب کچھ کریں گے اور مقصود صرف ایک ہوگا کہ مالک حقیقی راضی ہو جائے اور اس رسم عاشقی کے بانی حضرت ابراہیمؑ کی طرح ان کے بارے میں بھی کہہ دے:

"سلام علی ابراھیم، کذالک نجزی المحسنین انه من عبادنا المومنین"۔ (سورہ صفت:۱۰۹۔۱۱۱)

ادھر بندوں کا یہ حال ہوگا اور ادھر کریم رب کی جانب سے بھی داد و دہش کا فیضان ہوگا، حج کے پہلے ہی دن جب کہ یہ حجاج عرفات نامی صحرا میں پڑیں ہوں گے، خداوند کریم جہنم سے آزادی اور رہائی کے فیصلے فرما رہا ہوگا، کہ اسی کے نبی ﷺ نے خبر دی "ما من یوم اکثر من ان یعتق الله فیه عبدا من النار من یوم عرفة" (اللہ عرفات کے دن سے زیادہ کسی دن اپنے بندوں کو آگ سے نجات نہیں دیتا) اسی پر بس نہیں، بلکہ اس کے آگے جس انعام کا ذکر ہے اس سا بڑا اس عالم آب و گل میں کوئی انعام نہیں، سنئے رسول اللہ ﷺ مزید کیا کہتے ہیں۔

لیکن اس کو سننے سے پہلے ذرا ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ انسان کی تخلیق کا ارادہ ظاہر کرنے پر فرشتوں نے اس رب کریم سے کیا کہا تھا، یہ تو کہ "اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک (بقرہ:۳۰) "اے پروردگار کیا آپ زمین میں اس کو پیدا کرنے جا رہے ہیں جو وہاں فساد مچائے خونریزی کرے اور ہم تو تری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہی ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہی ہیں"۔

اب ذرا عرفہ میں جمع ہونے والے ان دیوانوں سے خوش ہوکر رب کریم کا انعام ملاحظہ فرمایئے ''وانہ لیدنو ثم یباھی بھم الملائکۃ فیقول: ما اراد ھولاء'' یعنی وہ ربِ کریم اپنے ان بندوں کے نہایت قریب ہو جاتا ہے اور پھر ان پر فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے، دیکھتے ہو! یہ کیا چاہتے ہیں؟ اللہ اللہ وہی فرشتے جنہوں نے بندگان خدا کے بارے میں زمین میں فسد پھیلانے اور خونریزی کا اندیشہ ظاہر کیا تھا، ان ہی سے یہ پروردگار کی کیفیات پر ناز کرتا ہے، کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔ اس پر بھی بس نہیں اگر یہ پاک صاف حج کر آئیں تو ان پر مزید انعام یہ کہ گناہوں سے ایسے پاک وصاف ہو جائیں کہ گویا اس دنیا میں اس سے پہلے تھے ہی نہیں کہ گناہ کرتے (رجع کیوم ولدتہ امہ، بخاری) اور اس دوران وہ کوئی بھی دعا مانگیں تو اس کریم رب کے یہاں کہ جس کے دربار میں یہ حاضر ہوئے ہیں، اسے شرف قبولیت حاصل ہو جائے (الحاج والعمار وفد اللہ ان دعوہ اجابھم استغفروہ غفرلھم۔ ابن ماجہ) اور اگر ان کی یہ تمام ادائیں قبول ہو جائیں تو پوچھنا ہی کیا کہ سیدھے جنت کا وعدہ ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے'' والحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ'' بخاری (حج مبرور کا صلہ اور بدلہ تو بس جنت ہی ہے) .... رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ایک صحابی سے کہا تھا کہ جب تم بیت اللہ کا ارادہ کرکے اپنے گھر سے نکلے تھے تو تمہاری اونٹنی کے ہر قدم پر تمہارے لئے ایک نیکی لکھی جاتی تھی اور ایک گناہ معاف کیا جاتا تھا اور طواف کے بعد جو تم نے دو رکعت نماز پڑھی تھی اس کا ثواب ایسا تھا کہ جیسے تم نے بنی اسماعیل (خانوادہ رسول ﷺ) میں کے ایک غلام کو آزاد کر دیا ہو، اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کا طواف ایسے ہی ستر غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور جب تم عرفہ میں مقیم تھے تو اللہ سماء دنیا (پہلے آسمان) پر آیا تھا اور تم (حاجیوں) پر فخر کرتے ہوئے اس نے فرشتوں سے کہا تھا یہ میرے بندے ہیں جو میرے پاس مختلف مقامات سے پراگندہ بال آئے ہیں، ان کا مقصد صرف ایک ہے، اور وہ ہے میری جنت کا حصول، اے بندوں! میں نے تمہارے سارے گناہ معاف کئے خواہ وہ ریت کے ذرات کی تعداد میں ہوں، بارش کی بوند کے برابر ہوں یا سمندر کے جھاگ جیسے ہوں، جاؤ میں نے تمہارے اور تم جس کے لئے کہو اس کے سارے گناہ معاف کئے ...... پھر حضور نے ان صحابی سے کہا: اور جب تم شیطان کو کنکریاں مار رہے تھے تو ہر کنکری پر تمہارا ایک نہایت سنگین گناہ معاف کیا جا رہا ہے اور رہی جانور کی قربانی تو اللہ نے اس کا اجر اپنے پاس محفوظ کر رکھا ہے۔ اور بال منڈوانے پر ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی تمہیں ملتی تھی اور ایک گناہ معاف کیا جاتا تھا، اس کے بعد جب تم آخری طواف کر رہے تھے تو تمہارے سارے گناہ معاف ہو چکے تھے، ایک فرشتہ آیا اس نے تمہارے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور کہا، ماضی کے سب گناہ معاف ہو گئے، اب آگے کی فکر کرو (الترغیب والترھیب، کتاب الحج ۳۲، بحوالہ طبرانی وابن حبان) .... یہ ثواب وانعام کی بارش! یہ کرم کا بہتا دریا، یہ مغفرت کا سیلاب! کیوں نہ ہو کہ کریموں کے کریم نے آج دربار لگایا ہے۔

ابوطلحہ مختار اللہ حقانی *

رسول اللہ ﷺ سے بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھنے کی تحقیق

محترم جناب ایڈیٹر ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

جناب! ماہنامہ الحق ستمبر ۲۰۰۴ء جلد نمبر ۳۹ ص ۳۴ میں درج ہے کہ نبی کریم صلعم نے بنفس نفیس ۲۰ رکعات تراویح کی نماز ادا فرمائی ہے.....حالانکہ علمائے احناف اس کے خلاف فرماتے ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہؒ: آپ ﷺ نماز عشاء سے لے کر نماز فجر تک آٹھ رکعت اور تین وتر پڑھتے تھے (کتاب الآثار ص ۲۶) ۲۔ امام محمد تلمیذ ابوحنیفہ: رسول اللہ رمضان میں یا اس کے علاوہ گیارہ رکعات پر اضافہ نہیں کرتے تھے (موطاء امام محمد مترجم ص ۱۲۲) ۳۔ امام ابن ہمام حنفیؒ: ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔تراویح کی مسنون تعداد گیارہ رکعات ہے (ص ۶۰۷ ج۔۱) ۴۔ علامہ بدرالدین عینیؒ: (عمدہ القاری ص ۱۷۷ ج۔۱)
۵۔ ملا علی قاری حنفیؒ: (مرقاۃ المفاتیح ص ۱۹۶، ج ۱) ۶۔ مولانا عبدالحئی لکھنویؒ: (التعلیق المجد ص ۱۶۱)
۷۔ انور شاہ کاشمیریؒ (العرف الشذی ص ۱۶۶ ج ۱) ۸۔ جلال الدین السیوطی: (المصابیح فی رکعات التراویح ص ۱۶۔ ۹۔ عبدالحق دہلوی: (ماثبت بالسنۃ ص ۲۱۷
۱۰۔ قاضی شمس الدین (القول الفصیح ص ۵) ۱۱۔ طحطاوی شرح درمختار جلد نمبر ۱ ص ۲۹۵ ان النبی ﷺ لم یصلها عشرین بل ثمانیاً ۱۲۔ ابوالسعود شرح کنز الدقائق ص ۱۶۵۔ج، ۱مصری لأن النبی ﷺ لم یصل عشرین بل ثمانیاً۔ ۱۳۔ الشیخ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب ''فتح سر المنان فی تائید مذہب النعمان'' کے صفحہ نمبر ۳۲۷ میں لکھتے ہیں۔ولم یثبت روایۃ عشرین منہ ﷺ کما ھو المتعارف: (مروجہ ۲۰ رکعت نبی ﷺ سے ثابت نہیں.....) تو جناب آپ کے پاس کوئی نص ہے تو بندہ کی رہنمائی فرمائیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ۲۰ رکعت تراویح ادا کی ہے۔امید ہے ضرور جواب دیں گے۔

---

* مفتی و استاد شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

دعا گو　　عبیدالرحمان یزدانی (لائبریرین)
اشرف لیبارٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ، سرگودھا روڈ یوسف چوک فیصل آباد

باسمہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق

محترم المقام جناب عبیدالرحمان یزدانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!　　بعد از سلام مسنون امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوں گے، آنجناب کا والہ نامہ بتاریخ ۱۹ راکتوبر ۲۰۰۴ء بمطابق ۴ ررمضان المبارک ۱۴۲۵ھ کو موصول ہوا پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آنجناب نے احقر (راقم الحروف) کے مضمون کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اور پھر ایک مقام (آنحضرت ﷺ نے خود بنفس نفیس بیس رکعت تراویح پڑھی ہے) کے اصل ماخذ کے بارے میں مزید وضاحت طلب کی۔ اور اس روایت کو رد کرنے کے لئے چند اقوال اور بعض کتابوں کے حوالجات بھی تحریر فرمائی ہے۔ مکتوب ارسال کرنے کا بہت شکریہ، اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ جواب حاضر خدمت ہے مگر مصروفیات و مشاغل کی وجہ سے تاخیر کے لئے معذرت خواں ہوں۔

آنجناب نے جس حدیث کے بارے میں وضاحت طلب کی ہے وہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۴ اور سنن بیہقی ۲/۴۹۶/باب ماروی فی عدد رکعات الصیام فی شهر رمضان میں مذکورہ ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں: حدثنا يزيد بن هارون اخبرنا ابراهيم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة والوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۴) اور سنن بیہقی میں يصلى فى رمضان بغير جماعة عشرين ركعة الوتر کے الفاظ سے مذکور ہے۔

اسی طرح اس روایت کو عبد بن حمید نے مسند عبد بن حمید میں، علامہ بغویؒ نے اپنی معجم میں اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے (التعلیق الحسن علی آثار السنن ۲۵۴ واعلاء السنن ۷/۸۲) مگر عموماً اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اس لئے اس سے استدلال کرنا درست نہیں، اور گمان غالب ہے کہ آنجناب نے بھی اسی اعتراض کی وجہ سے مضمون میں درج شدہ مفہوم حدیث کے اصل مأخذ کی وضاحت طلب کرنے کے لئے مکتوب ارسال فرمایا، اور یہ بات قرین قیاس ہے اس لئے کہ جب کسی کو اس مسئلہ کے بارے میں اتنی کتابوں کا علم ہو تو اس کو اس روایت کا اصل مأخذ کیسے معلوم نہ ہوگا، لازماً اسی اعتراض کی وجہ سے مضمون میں یہ روایت انوکھی لگی، مگر اس اعتراض کی

حقیقت اور جواب سے قبل چند مقدمات کو ذہن نشین کرنا نہایت ہی ضروری ہے' جب ہی اشکال واعتراض کی حقیقت معلوم ہوگی اور جواب سمجھ میں آئے گا۔

(1)　**مقدمہ اولیٰ:**　کسی حدیث کے قابل عمل ہونے کے لئے صرف اس حدیث کی سند کا صحیح ہونا ضروری نہیں یہ اس لئے کہ اگر اس شرط کو ضروری قرار دیا جائے تو پھر بہت ساری احادیث کا ترک کرنا لازم آئے گا' حالانکہ ان احادیث مبارکہ کو باوجود سند کے اعتبار سے غیر صحیح ہونے کے فقہاء کرام اور محدثین عظام نے معمول بہ بنائے ہیں۔ اور اسی پر عمل کر کے چلتے آرہے ہیں۔ مثلاً (۱) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ لا وصية لوارث (الحدیث) کہ وارث کے لئے وصیت نہیں۔ اس بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو اہل حدیث ثابت نہیں کہتے۔ لیکن عامہ علماء نے اس کو قبول کرلیا ہے۔ اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہاں تک انہوں نے اس حدیث کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے۔

(۲)　اسی طرح العينان وكاء السه (الحدیث) آنکھیں سرین کے تسمے ہیں۔ یہ روایت بھی سنداً ضعیف ہے مگر اس کے باوجود بعض محدثین اور فقہاء کرام نے ان کو معمول بہ قرار دیا ہے۔

(۳)　اس کے علاوہ الماء طهور لاينجسه شئى الاماغلب على ريحه اوطعمه (الحدیث) کے بارے میں امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس روایت کے ضعیف ہونے پر علماء امت کا اتفاق ہے' مگر اس کے باوجود اہل مدینہ اور دوسرے فقہاء کرام نے اس کو معمول بہ قرار دیا ہے۔

(۴)　اسی طرح کہ من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقداتى باباً من ابواب الكبائر (ترمذی ۱/۳۰۳) اس روایت کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: قال ابو عيسىٰ حنش هذا هو بو على الرحبى وهو حسين بن قيس وهو ضعيف عنداهل الحديث ضعّف احمد وغيره لیکن اس کے باوجود والعمل على هذا عنداهل العلم ان لايجمع بين الصلاتين الا فى السفر اوبعرفه (الجامع الترمذی ۱/۳۰۳)

امام ترمذی فرماتے ہیں: حنش یہ بوعلی الرجی ہے اور اس کا نام حسین بن قیس ہے اور یہ راوی محدثین کے ہاں ضعیف ہے امام احمد اور دوسرے ائمہ جرح وتعدیل نے اس کی تضعیف کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اہل علم کا اس پر عمل ہے اور ان کے ہاں سفر اور عرفہ کے علاوہ جمع بین الصلاتین جائز نہیں۔

(۶)　اسی طرح کہ طلاق الامة ثنتان وعدتها حيضتان (الحدیث) اس روایت کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حديث غريب والعمل عليه عندأهل العلم من اصحاب رسول الله ﷺ وغيرهم ترمذی اور امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ قال قاسم و سالم عمل به المسلمون

وقال مالک شهرة الحديث بالمدينة تغني عن صحة سنده (۲/۴۴۱)

یہ حدیث غریب ہے اور اس پر آنحضرت ﷺ کے اہل علم صحابہ کرام اور دوسرے اہل علم کا عمل ہے، امام قاسم اور امام سالم کہتے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا عمل ہے اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ میں کسی حدیث کی شہرت سند کی صحت سے مستغنی کر دیتی ہے۔

اسی طرح امام ترمذیؒ نے کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے مگر اس پر اہل علم کا عمل ہے۔ اور آج تک ان پر عمل چلا آ رہا ہے۔

(2) مقدمہ ثانیہ:

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس طرح حدیث مبارک سند کی وجہ سے درجہ صحت اور درجہ حسن تک پہنچتا ہے تو اسی طرح امت مسلمہ کے تلقی بالقبول سے بھی وہ روایت باوجود سنداً ضعیف ہونے کے درجہ صحت وحسن کا مقام پالیتا ہے، اسی لئے محدثین عظام نے فرمایا ہے: قال بعضهم يحكم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح (تدریب الراوی ۱/۶۷) بعض نے کہا ہے کہ حدیث پر صحیح کا حکم اس وقت بھی لگایا جائے گا۔ جب امت اس کو قبول کرے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہو۔

اور اسی وجہ سے محقق ابن ہمامؒ نے فتح القدیر ۱/۴۶۱) میں فرمایا ہے کہ اذا تأيد الضعيف بما يدل على صحته من القرائن كان صحيحا کہ جب کسی ضعیف روایت کی صحت پر قرائن شرع دال ہوں تو وہ حدیث صحیح ہے۔

اور اسی بناء پر محدثین اور فقہاء نے کافی سارے ذخیرہ احادیث کو صحیح کہا ہے اور ان کو معمول بہا قرار دیا ہے۔

(۱) مثلاً الاستذکار میں علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ لما حكى عن الترمذي ان البخاري صحّح حديث البحر هو الطهور ماؤه و اهل الحديث لا يصححون مثل اسناده لكن الحديث عندي صحيح لان العلماء تلقوه بالقبول (بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن /۶۱۔ وتدریب الراوی ۱/۶۵) ،امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ البحر هو الطهور ماءه کو صحیح فرماتے ہیں اور دوسرے محدثین اس روایت کو سند کی وجہ سے صحیح نہیں کہتے مگر میرے نزدیک یہ روایت صحیح ہے اس لئے کہ علماء نے اس روایت کو قبول کیا ہے

۲۔ اسی طرح علامہ محقق ابن ہمامؒ ۔ قول الترمذي (والعمل عليه عند اهل علم) يقتضي قوة أصله وإن ضعف خصوص من هذه الطريق (فتح القدیر ۱/۲۱۷) کہ امام ترمذی کا قول کہ اہل علم کے ہاں اس روایت پر عمل ہے اس روایت کے اصل کی قوت (صحت) کا تقاضہ کرتا ہے، اگرچہ انہوں نے سند کی

وجہ سے اس کو ضعیف کہا ہو۔

اور کتاب الطلاق کے فصل اول میں لکھا ہے ومما يصحح الحديث ايضاً عمل العلماء على وفقه وقال الترمذى عقيب رواية حديث طلاق الامة ثنتان...... حديث غريب والعمل عليه عند اهل العلم من أصحاب رسول الله ﷺ وغيرهم (فتح القدیر ۳/۱۴۳)

علماء کا عمل بھی ان امور میں سے ہے جس کی وجہ سے حدیث کو صحیح کہا جاتا ہے امام ترمذی نے طلاق الامة ثنتان وعدتها حيضتان کے بعد فرمایا ہے یہ حدیث غریب ہے مگر صحابہ کرام اور دوسرے اہل علم کے ہاں اس پر عمل ہے۔

۳۔　　اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے تعقبات میں ایک اور مثال ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وقال الترمذى قد رأى ابن المبارك وغيره صلوٰة التسبيح وذكروا الفضل فيه قال البيهقى فان عبدالله بن المبارك يصليها وتداوله الصالحون بعضهم عن بعض وذلك تقوية للحديث المرفوع (مقدمہ اعلاء السنن /۶۲) ''کہ عبداللہ بن مبارک اور دوسرے اہل علم نے صلوٰۃ تسبیح کی ترغیب دی ہے۔ امام بیہقی'' فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک صلوٰۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے اور صالحین کے ہاں یہ نماز چلی آ رہی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس حدیث مرفوع کو تقویت ملی۔''

یہ چند روایات بطور نمونہ ذکر کئے گئے ورنہ اور بھی کافی ساری روایات ذخیرہ حدیث میں موجود ہیں۔ جو سنداً ضعیف ہیں مگر تلقی بالقبول کی وجہ سے علماء نے ان کو صحیح کہا ہے۔　　تلقی الامۃ بالقبول ایسی دلیل صحت ہے کہ کبھی کبھی خبر تلقی الامۃ بالقبول کی وجہ سے تواتر کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابوبکر الجصاص الرازیؒ نے احکام القران میں لکھا ہے۔ وقد استعملت الامة هذين الحديثين وان كان وروده من طريق الاحاد فصار فى خيز التواتر لأن ما تلقاه الناس من اخبار الاحاد بالقبول فهو عندنا فى معنى التواتر (۱/۳۸۶ بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن/۶۲)

ان دونوں احادیث کو امت نے معمول بھا بنایا ہے اگر چہ ان کا ورود بطریق الاحاد ہو چکا ہے مگر اس تعامل سے یہ روایات تواتر کے حکم میں داخل ہوئے، اس لئے کہ لوگوں کا اخبار احاد کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ہمارے ہاں تواتر کے معنی میں ہے۔ تلقی الامۃ بالقبول سے حدیث ضعیف کا قابل احتجاج ہونے کا اصول علامہ صدیق بن حسن القنوجی نے الروضۃ الندیۃ ۱/۶ میں بھی لکھا ہے۔

(3)　**مقدمہ ثالثہ:**　　تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس طرح حدیث صحت سند اور تلقی الامۃ بالقبول کی وجہ سے صحت اور حسن کا مرتبہ پاتا ہے تو اسی طرح دوسرے قرائن شرع، مثلاً اجماع امت، شواہد اور توابع وغیرہ کی وجہ سے بھی

ضعف روایت صحت کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔

اس لئے علامہ ابوالحسن بن الحصار المالکیؒ نے تقریب المدارک علی مؤطا مالک میں لکھا ہے: قد یعلم الفقیه صحة الحدیث اذا لم یکن فی سنده کذاب بموافقة آیة من کتاب الله او بعض اصول الشریعة فیحمله ذلک علی قبوله و العمل به (تدریب الراوی ۱/ ٦٨) کبھی فقیہ کسی حدیث کی صحت کو صرف اس وجہ سے جان لیتا ہے کہ وہ روایت قرآنی آیت یا اصول شرعیہ کے موافق ہے اور وہ اس روایت کو قبول کر کے اس پر عمل کر لیتا ہے بشرطیکہ اس روایت کی سند میں کوئی کذاب راوی نہ ہو۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے اپنے استاد حافظ عراقی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول حدیث فانه یقبل حتی یجب العمل به (بحوالہ التعلیقات الحافلۃ علی الاجوبۃ الفاضلۃ ص ۲۳۱)

علماء امت مدلول حدیث پر عمل کرنے پر متفق ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں حتیٰ کہ اس پر عمل کرنے کو واجب اور ضروری سمجھتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ روایت اصول شرع کے موافق ہو اگر چہ اسکی سند میں کوئی کمزوری ہو تب بھی وہ روایت ان کے ہاں معمول بہا ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے محقق بن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ فان ضعف الاسناد غیر قاطع ببطلان المتن بل ظاهر فیه فاذا تاید بما یدل علی صحته من القرائن کان صحیحا (فتح القدیر ۲/ ۸۷) سند کا ضعیف ہونا متن کے بطلان کی دلیل نہیں، بلکہ اس میں ظاہر ہے کہ جب اس صحت پر قرائن شرع میں سے کوئی قرینہ دالت کرے تو وہ روایت صحیح کہلاتی ہے۔

(4)۔ مقدمہ رابعہ: چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ کسی بھی حدیث کو قطعی طور پر اس وقت تک ضعیف اور غیر معمول بہا نہیں کہا جا سکتا جب تک اس کے بارے میں پوری تحقیق نہ ہو، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: و اذا قیل هذا حدیث صحیح فهذا معناه ای ماتصل سنده مع الاوصاف المذکورة فقبلنا عملاً بظاهر الاسناد لانه مقطوع به فی نفس الامر لجواز الخطاء و النسیان عن الثقة و اذا قیل هذا حدیث غیر صحیح (ضعیف) فمعناه لم یصح إسناده علی الشرط المذکور لانه کذب فی نفس الامر لجواز صدق الکاذب و اصابة من هو کثیر الخطاء (تدریب الراوی بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن/ ۵٦)

جب یہ کہا جائے کہ یہ روایت صحیح ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ روایت ہے جس کی سند صفات مذکورہ کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے، تو ہم اس کو ظاہر سند کی وجہ سے قبول کرتے ہیں لیکن اس کے بارے میں قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نفس الامر میں بھی یہ روایت صحیح ہے اسلئے کہ ثقہ راوی سے بھی خطاء اور نسیان کا احتمال ہے، اور جب کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت کی سند مذکورہ شرائط کے ساتھ ہم تک نہیں پہنچا لیکن اس کا یہ مقصد

ہرگز نہیں کہ نفس الامر میں بھی یہ جھوٹ ہے اسلئے کہ جھوٹے سے بھی سچ اور اصابت رائے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ضعیف حدیث بھی محتج بہ بن جاتا ہے جب اس کی صحت پر کوئی قرینہ دلالت کرے اور جب قرائن اس کے خلاف ہو تو صحیح حدیث پر بھی عمل ترک کیا جاتا ہے (اعلاء السنن/۵۶)

لہذا اب ان مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اس روایت پر ضعف کا جو اعتراض کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے، اس لئے کہ اس روایت کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی ہے اور اس کو محدثین نے ضعیف کہا ہے چنانچہ امام بیہقی فرماتے ہیں۔ تفرد به ابو شیبه ابراهیم بن عثمان العبسی وهو ضعیف کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی اس روایت میں متفرد ہے۔ اور وہ ضعیف ہے (السنن الکبریٰ ۲/۴۹۶)

شیخ الاسلام علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں، ابراهیم بن عثمان ابو شیبة العبسی الکوفی قاض بواسط وجد ابی بکر بن ابی شیبة مروی عن زوج امه الحکم بن عتیبة وغیره کذبه شعبة لکونه روی عن الحکم عن ابن ابی لیلی انه قال شهد صفین من اهل بدر سبعون فقال شعبة کذب واللہ لقد ذاکرت الحکم فما وجدنا شهد صفین احداً من اهل بدر غیر حزیمة:

قلت سبحان اللہ، اما شهدها علیؓ ! اما شهد ها عمارؓ روی عثمانؒ لادارمی عن ابن معین !لیس بثقة وقال احمد ضعیف وقال البخاری سکتو عنه وقال النسائی متروک الحدیث .... الخ (میزان الاعتدال ۱/۴۸)

ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی واسط کا قاضی ہے اور ابوبکر بن ابی شیبہ کے دادا، آپ نے اپنی ماں کے شوہر حکم بن عتیبہ وغیرہ سے روایت کی۔ امام شعبہ نے آپ کی تکذیب اس وجہ سے کی ہے کہ آپ نے حکم بن عتبہ عن ابن ابی لیلیٰ کی سند سے ذکر کیا ہے کہ جنگ صفین میں ۷۰ بدری صحابہ شریک ہوئے تھے، امام شعبہ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے، میں نے خود حکم بن عتیبہ سے اسکا ذکر کیا تو انہوں نے حضرت خزیمہؓ کے علاوہ کسی بدری صحابی کا صفین میں شرکت کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ سبحان اللہ کیا حضرت علیؓ بھی شریک نہیں ہوئے تھے اور حضرت عمارؓ نے بھی شرکت نہیں کی تھی، عثمان دارمی نے امام ابن معین سے نقل کیا ہے کہ ابوشیبہ ثقہ نہیں ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ابوشیبہ ضعیف راوی ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ محدثین ابوشیبہ سے خاموش ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ ابوشیبہ متروک الحدیث راوی ہے۔ یہ وہ اعتراض ہے جس کی وجہ سے بعض حضرات اس کی اصلیت سے انکار کر بیٹھے۔

مگر اس اعتراض کے جواب کے بارے میں علامہ محمد حسن فیض پوریؒ رسالہ تحفۃ الاخوان فی صلوۃ رمضان میں لکھتے ہیں (الجواب) اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اہل حدیث نے اسکو مجروح اور ضعیف کہا ہے، اور اس کے ضعف پر

اصرار کیا ہے مگراس عاجز ہیچ مداں کے نزدیک یہ تمام جروحات خام اور غیر موثر ہیں اور افسوس صد افسوس ان اھل علم پر جن سے یہ حرکت سرزدھوئی اور کسی نے مخالف اور موافق سے غور اور تامل نہ کیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ چند اسباب جرح کے متعدد اور متکثر ہیں مگر مال اور انجام کاران سب کا دو امر پر ہے۔ اول جرح باعتبار عدالت اور تقویٰ کے اور دوسری جرح باعتبار حفظ اور ضبط کے اور میرے ناقص فہم میں ان محدثین کے جروحات سب کے سب عدالت کی طرف راجح ہیں حفظ اور ضبط کی طرف نہیں کیونکہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری کے ۱۷ صفحہ ۶۸ میں اسکو حافظ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کی عبارت یہ ہے :ابراھیم بن عثمان ابو شیبہ الحافظ انتھی لہٰذا جب اس کے بارے میں لفظ حافظ مسلم ہوا تو اب باقی جروحات ان اھل حدیث کے سب عدالت کی طرف راجح ہے' جبکہ یہی امر مھد متعین ہو چکا تو میں کہتا ہوں کہ جرح باعتبار عدالت کے بھی اس کے حق میں خام اور غیر موثر ہے' اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جن اہل علم نے عدالت کے رو سے اس کو متروک اور ضعیف کہا ہے' تو وہ سب جروحات مبہم اور غیر مفسر ہیں اور مداران سب کا مفسر طور پر فقط ایک ہی جرح پر ہے وہ یہ کہ ان میں سے شعبہ بن حجاج نے سب سے مقدم اور مبین السبب جرح فرمائی ہے' یعنی جو کہ شیخ الاسلام علامہ ذہبیؒ نے لکھی ہے' وھو قولہ کذبہ شعبة لکونہ روی عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ انہ قال شھد صفین من اھل بدر سبعون فقال شعبة کذب واللہ لقد ذاکرت الحکم فما وجدنا شھد صفین من اھل بدر غیر حزیمة اور باقی محدثین شعبہ کے متبع اور مقلد ہیں اور سب کے سب اس کے بعد ہیں کوئی جارح ابوشیبہ کا معاصر نہیں بجز شعبہ کے تو جروحاتِ عدالت کا مدار شعبہ کی کلام پر رہا جب یہی امر مھد متعین ہو چکا تو میں کہتا ہوں کہ یہ جرح اگر چہ مفسر اور مبین السبب ہے مگر اسقدر کی جرح سے ابوشیبہ متروک قرار دینا اور من کل الوجوہ ضعیف کہنا غلط اور بے انصافی ہے' کیونکہ اس قسم کی جرح از قبیل سہو اور نسیان ہے اور وہ چنداں خارج نہیں ورنہ ابن حجاج بلکہ خود حکم بن عتیبہ کذاب اور متروک قرار دیا جاوے گا کیونکہ ان سے بھی اس قسم کی غلطی سرزدھوئی ہے اس لئے شعبہ اور حکم اس بات کے قائل ہیں کہ صفین میں بجز حزیمہؓ کے اہل بدر میں سے کوئی معاصر نہ تھا حالانکہ حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ دونوں صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے' اس واسطے شیخ الاسلام علامہ ذہبیؒ نے شعبہ کے جواب میں کہا کہ سبحان اللہ أما شھدھا علیؓ اما شھدھا عمارؓ انتھی ' اب اگر اس قدر سہو اور ذھول کے سبب ابوشیبہ متروک قرار دیا جائے تو چاہیے کہ شعبہ بن حجاج اور حکم بن عتیبہ بھی متروک قرار دے جاوے لعلة الواحدة الجامعة فیھم وھی عدم حفظ اصحاب بدر ' اب شعبہ بن حجاج کو امیر المومنین قرار دینا اور حکم بن عتیبہ کو اجماعی امام ثقہ کہنا اور ابوشیبہ کو ضعیف قرار دینا مع اتحاد سبب الجرح فیھم انصاف سے بعید ہے اور میں کہتا ہوں کہ ابوشیبہ کی بہ نسبت شعبہ اور اسکے شیخ حکم بن عتیبہ کی غلطی سخت ہے اور اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان ایام میں بہت سارے بدری صحابہ کرامؓ زندہ تھے۔

منهم رفاعة بن رافع مات في اول خلافة معاويه ' ابولبابة الانصاري عاش الي خلافة علي ' ابوطلحه الانصاري مات سنة اربع و ثلاثين و قال ابوزرعة عاش بعد النبي ﷺ اربعين سنة ' سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل مات سنة خمسين او بعدها ' سهل بن حنيف مات في خلافة علي ' عبدالله بن مسعود مات سنة اثنين وثلاثين ' ابو مسعود البدري مات قبل الاربعين ' عبادة بن الصامت مات سنة ثلاثين ' عتبان بن مالک مات في خلافة معاوية ' مالک بن ربيعة ابو السيد مات سنة ثلاثين او بعدها اب یہ تمام صحابہ اوران کے سواء دوسرے بدری صحابہ زندہ تھے کل ذلک من التقريب '

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بنسبت اور بدریوں کے حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ کا صفین میں ہونا اظهر من الشمس تھا اور ہر فرد بشر ادنی اور اعلیٰ ذی علم میں سے اس بات کا خوب واقف ہے اور شعبہ اور حکم ان سے بھی غافل ہیں اب باوجود ایسی سخت غلطی کے جب شعبہ اور حکم مجروح نہیں تو ابوشیبہ بھی مجروح نہ ہوا وھوالمطلوب اسی واسطے خاتم المحدثین اور ہمارے پیران پیر اور شیخ شیخ الشیخ نے اعنی شاہ عبدالعزیز محدث دھلویؒ نے رسالہ تراویح میں لکھتے ہیں کہ حالانکہ ابوشیبہ ان قدر ضعف ندارد کہ روایت او مطروح ساختہ شوداور میں کہتا ہوں کہ یہ بات خاتم المحدثین کی راست اور درست ہے (رسائل ستہ ضروریہ ص ۲۰۰ تا ۲۰۲)

اور میں کہتا ہوں کہ علامہ فیض پوریؒ کا یہ کلام قرین قیاس ہے اس لئے کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو مجروح ثابت کرنے میں کچھ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ امام ابن عدیؒ آپؒ کے متعلق فرماتے ہیں له احاديث صالحة وهو خير من ابراهيم بن ابي حيه (تہذیب التہذیب ۱/۱۴۵) اسی طرح امام بخاریؒ کے استاد الاستاذ یزید بن ھارون جو نہایت ثقہ اور اعلیٰ درجہ کے حافظ حدیث ہیں۔ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کے بڑے مداح تھے آپ فرمایا کرتے تھے ماقضیٰ علي الناس يعني في زمانه اعدل في قضاء منه (تہذیب التہذیب ۱/۱۴۵)

یعنی ہمارے زمانے میں ان سے زیادہ عادل کوئی قاضی نہیں تھا۔ یہاں یہ بات گوش گزار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یزید بن ہارون سے بڑھ کر ابراہیم بن عثمان کا پرکھنے والا اور ان کے حالات سے باخبران جارحین میں کوئی بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ یزید بن ہارون ان کے محکمہ میں کاتب یعنی ان کے منشی تھے۔ وہ ابوشیبہؒ کی عدالت ' تقویٰ ' للّٰہیت سے خوب واقف تھے۔ اس لئے یزید کی شہادت ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کے علم اور دیانت داری دونوں میں زبردست شہادت ہے۔ اور ویسے بھی کسی راوی کی روایت کو قبول کرنے کے لئے دو باتیں لازمی طور پر دیکھی جاتی ہیں

ایک تدین (دینداری)، دوم اس کا قوت حافظہ، یزید بن ہارون کی شہادت کے بعد اب تو ابراہیم بن عثمان کے تدین میں تو کوئی شک باقی نہیں رہا۔ اور حافظ ابن حجرؒ اور ابن عدیؒ کی شہادت سے اسکا حافظہ بھی معلوم ہوا۔ ان دونوں امور کے ثابت ہونے کے بعد اس کو اس حد تک ضعیف قرار دینا جس کی وجہ سے اس کی روایت کردہ حدیث کو نا قابل استدلال قرار دیا جائے۔ اس کے علاوہ امام شعبہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ہمیشہ ثقہ راویوں سے روایت لیتے تھے، اور تہذیب التہذیب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابوشیبہ سے امام شعبہ نے روایت لیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شعبہ نے اپنی جرح سے رجوع کرلیا ہوگا، اب اگر شعبہ کے رجوع کو مان لیا جائے تو راوی ابوشیبہ ثقہ ہوا اور اگر رجوع ثابت نہ مانا جائے تو راوی مختلف فیہ ہوا جس کی وجہ سے وہ درجہ حسن میں آئے گا اور درجہ حسن کی روایت بھی قابل احتجاج ہے اس لئے یہ روایت صرف شعبہ کے جرح سے نا قابل استدلال قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس کے علاوہ اگر بالفرض ان حضرات کی جرح کو مان لیا جائے اور ان کی وجہ سے ابراہیم بن عثمان کو ضعیف قرار دیا تو صرف اس سے روایت کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ اس کی تائید میں عہد فاروقی کے مسلمانوں کا علانیہ عمل اور ائمہ مجتہدین کے اتفاق رائے جیسے قوی اور ٹھوس دلائل موجود ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ روایت قابل احتجاج ہے، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ نے خود ایک موقعہ پر اعتراف کیا ہے کہ بعض ضعیف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہوگئے ہیں (اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۹/اپریل ۱۹۰۷ء بحوالہ بیس تراویح کا ثبوت ص ۴)

غیر مقلدین کی ناانصافی: تلقی بالقبول پر مزید تفصیلی بحث کرنے سے قبل حضرات غیر مقلدین کی ناانصافی بتانا ضروری ہے، کہ تراویح کے مسئلہ میں تو احناف کے مستدل حدیث بالا پر ورق کے ورق سیاہ کرتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ سخت ضعیف ہے، اس سند کو پیش کرنا بدنامی اور حماقت ہے۔ مگر نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے ثبوت میں مشہور غیر مقلد حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے اپنی کتاب صلوۃ الرسول کے صفحہ ۳۴۴ پر اسی راوی کی روایت بحوالہ ابن ماجہ پیش کی ہے۔ وعن ابن عباس ان النبی قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب (ابن ماجہ) کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہے۔

اور ابن ماجۃ میں اس روایت کی سند یوں ہے، حدثنا احمد بن منیع ثنا زید بن الحباب ثنا ابراھیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان النبیؐ قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب (ابن ماجہ ص ۱۰۷)

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوگا کہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ضعیف راوی نہیں لیکن اگر ان محدثین کی بات مان لی جائے تو بعض کے توثیق اور بعض کی تضعیف سے اس کو مختلف فیہ راوی مان لیا جائے گا۔ جیسا کہ ہم نے مقدمہ ثانیہ میں ذکر کیا کہ ایک ضعیف روایت تلقی بالقبول کی وجہ سے بھی قابل استدلال اور صحیح قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں پر بھی اس

روایت کو امت مسلمہ نے معمول بہا قرار دیا ہے اور دور صحابہ سے لے کر آج تک اسی روایت پر عمل ہوتا رہا ہے اور بیس رکعات تراویح کا عمل خیر القرون سے آج تک منقول و مشاہد ہے، خلفاء راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتھدین کا اقوال، افعال اور فتاویٰ اس روایت کے مؤید ہیں ہم نے مقدمہ ثالثہ میں یہی ذکر کیا ہے کہ ایک حدیث ضعف سند کے باوجود قرائن شرع کی تائید سے صحیح اور قابل احتجاج بن جاتا ہے اور یہاں پر قرائن شرع یعنی اجماع صحابہ، تعامل امت اور ان کا اتفاقی عمل اس روایت کے مؤید ہیں، ذیل میں بعض آثار اور تائیہ قرائن ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ مزید وضاحت ہوسکے۔

دور فاروقی: امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں باقاعدہ طور پر نماز تراویح باجماعت کا اہتمام کیا گیا اور اس وقت سے لوگوں نے باقاعدہ طور پر بیس رکعت تراویح کا اہتمام کرنا شروع کیا۔

(۱) چنانچہ حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں: کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة و الوتر ۔حضرت عمرؓ کے خلافت کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔(معرفة السنن للبیھقی ص ۳۶۷) اس روایت کی سند پر امام نوویؒ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے (شرح المھذب) علامہ سبکی، علامہ جلال سیوطی، ملا علی قاری رحمھم اللہ نے بھی اسکی سند کی تصحیح کی ہے۔

(۲) اسی طرح یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ان عمر بن الخطاب امر رجلاً یصلی بھم عشرین رکعة بیشک حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

(۳) اسی طرح یزید بن رومان سے مروی ہے کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة (موطا امام مالک ص ۴۰) کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں رمضان میں بیس (۲۰) رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔

(۴) عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم عشرین رکعة حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کیا اور وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(۵) عن ابی بن کعب ان عمربن الخطاب امره ان یصلی باللیل فی رمضان فصلی بھم عشرین رکعة (کنز العمال ۲۶۴/۸) حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت عمرؓ نے اسے حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں رات کو (تراویح) پڑھائے اس لئے اس نے لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کے بیس رکعت پڑھانے کی تحقیق کے ثبوت کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ

فرماتے ہیں قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة ویوتر بثلاث فرای اکثر من العلماء ان ذالک هو السنة لامة قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر (فتاوی ابن تیمیہ ۱۱۲/۲۳)

یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت ابی بن کعب لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھائے تھے اس لئے علماء کی اکثریت کی رائے میں بیس ہی سنت ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کے پیچھے مہاجرین اور انصار (بیس رکعت پڑھتے تھے) اور کسی منکر نے بھی انکار نہیں کیا۔

دور عثمانی: حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ عہد فاروقی میں لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے (السنن الکبریٰ ۲۹۲/۴) اسی طرح علامہ عینیؒ نے لکھا ہے وفی روایة له (سائب بن یزید) وعلی عهد عثمان وعلیؓ مثله (البدایہ ۱۰۱/۳) کہ حضرت سائب بن یزید سے روایت کہ لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی لوگ بیس رکعات پڑھتے تھے دور فاروقی کی طرح عہد عثمانی میں بھی کسی نے بیس رکعت تراویح پر تنقید نہیں کی اور نہ اس کو بدعت کہا ہے' گویا اس دور میں سب مسلمانوں کا بیس رکعات تراویح پر اتفاق رہا۔

دور مرتضوی: اسی طرح دور مرتضوی (حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت) میں بھی اسی پر مواظبت رہا' حضرت علیؓ نے خود قرأ کو بیس رکعت تراویح پڑھانے پر مامور فرمایا تھا۔ ۱۔ عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوتر بهم (سنن کبریٰ للبیہقی ۴۹۶/۲) کہ حضرت علیؓ نے قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھایا کرے اور خود حضرت علیؓ لوگوں کو وتر پڑھاتے تھے۔

(۲) عن ابی الحسن ' ان علیا امر رجلا یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة. (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹۳/۲) ابو حسن سے روایت ہے کہ بیشک حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو مامور کیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

دیگر صحابہ کرام و تابعین کا عمل: دور خلفاء ثلاثہ کے علاوہ بعد کے ادوار میں بھی قریبا جمیع صحابہ کرام کا بیس رکعت پڑھنے کا عمل تھا۔ چنانچہ امام حسن بصریؒ عبد العزیز بن رافع سے روایت کرتے ہیں:

۱۔ کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة بعشرین رکعة ویوتر بثلاث (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۸۵/۲) ''کہ ابی بن کعبؓ مدینہ منورہ میں رمضان مبارک میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھایا کرتے تھے۔''

۲۔ عن عطاء قال ادرکت الناس وهم یصلون ثلاثا وعشرین رکعة بالوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۹۳) ''حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے۔'' اس روایت میں الناس سے مراد صحابہ کرام اور تابعین ہیں۔

۳۔ ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم ان الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان (کتاب الاثار لابی یوسف ۴۱) ''ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ سب لوگ (تابعین و تبع تابعین) رمضان میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔''

ان آثار اور تعامل کے علاوہ مزید روایات و آثار کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ' قیام اللیل' سنن کبریٰ للبیھقی اور آثار السنن مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلئے کہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے صحابہ کرامؓ کے آثار کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اسی وجہ سے شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں: قلت والاثار فی الباب اکثر من ان تحصی (اوجز المسالک ۲/۵۳۵) میں کہتا ہوں کہ اس باب میں اتنے آثار ہیں جو گنے نہیں جاسکتے (یعنی بہت زیادہ ہیں)

__اجماعی ثبوت:__ اور اسی پر صحابہ کرامؓ ' تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اجماع ہے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین العینیؒ نے لکھا ہے: والیه ذهب من التابعین ابن ابی ملیکة' وعطاء وابو البختری والحارث الهمدانی وسعید بن ابی الحسن' اخو الحسن البصری وعبد الرحمن بن ابی بکروغیرهم قال ابن عبدالبر وهوقول جمهور العلماء وبة قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقهاء وهو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابة (بحواله معارف السنن (۵/۵۴۲)

عشر بیس تراویح کی طرف تابعین میں سے ابن ابی ملیکہ' عطاء بن ابی رباح' ابوالبختری' حارث سعید بن ابی الحسن اخوالحسن البصری' عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور دوسرے حضرات گئے ہیں' علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ یہ جمہور علماء کا قول ہے اور یہی رائے کوفیوں' امام شافعی اور اکثر فقہا کرام کی ہے' حضرت ابی بن کعبؓ سے یہی صحیح طریقے سے نقل ہے اور اس میں کسی بھی صحابی سے اختلاف مروی نہیں اور علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں' ان عمر جمع اصحاب رسول الله ﷺ فی شهر رمضان علی ابی بن کعب فصلی بهم کل لیلة عشرین رکعة ولم ینکر علیه احد فیکون اجماعاً منهم علی ذلک۔ ابن قدامة نے المغنی کے ۱/۸۰۲ پر لکھا ہے کہ وهذا کالاجماع (بحوالہ معارف السنن ۵/۵۴۳) بیشک حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام کو رمضان المبارک کے مہینے میں حضرات ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کیا اور آپؓ نے ان کو

ہر رات بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے اور کسی اس پر نکیر نہیں کی' گویا اسی پر ان کا اجماع ہوا' علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں لکھا ہے کہ (صحابہ کرام کا نکیر نہ کرنا) اجماع کی طرح ہے۔

اسی طرح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ الدسوقی علی الشرح الکبیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں: وهى ثلاث وعشرون ركعة بالشفع و الوتر كما كان عليه عمل الصحابة و التابعين وجرى عليه العمل سلفاً و خلفاً (اوجز المسالک ۲/۵۳۴)

بیس رکعات تراویح دو رکعت کے ساتھ اور تین رکعات وتر پر صحابہ کرام تابعین کا عمل رہا اور اسی پر سلفاو خلفاعمل ہوتا رہا ہے۔

اسی طرح ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: اجمع الصحابة على ان التراويح عشرون ركعة (مرقات ۳/۱۹۴) صحابہ کرامؓ کا بیس رکعات پر اجماع تھا۔

صاحب اتحاف سادۃ المتقین فرماتے ہیں: وبالاجماع الذى وقع فى زمن عمرؓ اخذ ابوحنيفة و الثورى و الشافعى و احمد و الجمهور و اختيار ابن عبدالبر (اتحاف سادۃ المتقین ۳/۴۲۴) بیس رکعات تراویح جو حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اجماعاً ثابت ہے اسی کو امام ابوحنیفہؒ ' امام سفیان ثوریؒ ' امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور نے لیا ہے اور اسی کو حافظ ابن عبدالبرؒ نے بھی اختیار کیا ہے۔

<u>مذاہب اربعہ:</u> جس طرح صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کا بیس رکعات تراویح پر اتفاق تھا۔ اسی طرح مذہب اربعہ میں بھی یہ مسئلہ اتفاقی ہے' کسی بھی مذہب کے امام نے آٹھ تراویح کا قول نہیں کیا۔

۱۔ امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں لکھا ہے: واختلف اهل العلم فى قيام رمضان فرای بعضهم ان يصلى احدى واربعين ركعة مع الوتر وهو قول اهل المدينة والعمل على هذا عندهم بالمدينة واكثر اهل العلم على ماروى عن على وعمر وغيرهما من اصحاب النبى ﷺ عشرين ركعة وهو قول سفيان الثورى وابن المبارك و الشافعى وقال الشافعى وهكذا ادركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة وقال احمد روى فى هذا الوان لم ينص فيه بشئى وقال اسحاق بل نختار احدى واربعين ركعة على ماروى عن ابى بن كعب. (جامع ترمذی ۱/۱۱۲)

رمضان المبارک کے مہینے میں قیام کا مسئلہ اہل علم کے ہاں مختلف فیہ ہے' بعض اہل علم وتر کے ساتھ اکتالیس رکعات کے قائل ہیں اور یہی اہل مدینہ کا قول ہے اور اسی پر ان کا عمل ہے' اور اکثر اہل علم بیس رکعت کے قائل ہیں اور یہ رائے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام مثلاً حضرت علیؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے مرویات کے موافق ہے' اور

یہی سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں بیس رکعات پڑھتے دیکھا ہے۔ اور امام احمد حنبلؒ کا کہنا ہے کہ تراویح میں مختلف روایات میں (بیس سے لے کر اکتالیس تک) اسی پر کوئی حکم نہیں لگایا۔ اور امام اسحاق فرماتے ہیں۔ کہ ہم اکتالیس رکعت کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت کے موافق ہے، امام ترمذیؒ کی عبارت پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ صحابہ، تابعین، ان تبع تابعین کے زمانہ میں کہیں بھی کوئی جماعت یا فرد مشہور آٹھ رکعت تراویح کا قائل نہیں تھا۔ ورنہ امام ترمذیؒ اس کا تذکرہ ضرور کرتے، ان کا ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان ادوار میں آٹھ رکعات تراویح کا کوئی رواج ہی نہیں تھا۔ اور نہ لوگ آٹھ رکعات تراویح پڑھتے تھے۔

اسلئے علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ولم یقل احد من الائمة الاربعة باقل من عشرین رکعة فی التراویح والیه جمهور الصحابة رضوان الله عنهم۔ (العرف الشذی ۱/۱۶۶) ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی بیس رکعات تراویح سے کم کے متعلق نہیں کہا ہے، اور یہی عمل جمہور صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

جب ان دلائل شرع کی تائید اس روایت کو حاصل ہے تو یہ اس بات کی بالکل واضح دلیل ہے کہ جس روایت کو اعتراض کا نشانہ بنایا گیا ہے وہ اعتراض غلط اور صحیح نہیں ہے بلکہ وہ درست اور قابل استدلال حدیث ہے۔ اس لئے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں: لاشک فی ان تحدید التراویح فی عشرین رکعة لم یثبت مرفوعاً عن النبیؐ بطریق صحیح علی اصول المحدثین وما ورد فیه من روایة ابن عباس متکلم فیها علی اصولهم لکن مع هذا لایمکن الانکار عن ثبوته بفعل عمر و سکوت الصحابة علی ذلک واجماعهم علی قبوله بمنزلة النص علی ان له اصلاً عندهم (اوجز المسالک ۲/۵۳۴)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بیس رکعات تراویح آنحضرت ﷺ سے محدثین کے اصول کے مطابق مرفوعاً صحیح طریقے سے ثابت نہیں اور جو روایت (بیس رکعات) کی عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے، محدثین کے اصول کے مطابق متکلم فیہا ہے۔ لیکن اس کے ثبوت سے انکار کرنا حضرت عمرؓ کے فعل اور صحابہ کرامؓ کے سکوت سے ممکن نہیں ان کا حضرت عمرؓ کے فعل کو قبول کرنے پر اتفاق کرنا نص کی طرح ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں اس فعل (بیس رکعات کی تراویح) کے لئے اصل موجود ہے۔ اور یہی بات علامہ انور شاہ کشمیریؒ صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالہ سے نقل کر کے فرماتے ہیں:

ففی التاتارخانیة: سال ابویوسف ابا حنیفة ان اعلان عمر بعشرین

ركعة هل كان له عهد منه ﷺ قال ابو حنيفة ما كان عمر مبتدعاً اى لعله يكون له عهد فدل على ان عشرين ركعة لابد من ان يكون لها اصل منه ﷺ وان لم يبلغنا بالاسناد القوى ۔ (العرف الشذی ۱/۱۶۶)

تاتارخانیہ میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا کہ حضرت عمرؓ کے بیس رکعات کے اعلان کے لئے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کوئی اصل ہے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ بدعتی نہیں تھے' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بیس رکعات تراویح کے لئے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اصل موجود ہے اگرچہ وہ ہم تک قوی سند کے ساتھ نہیں پہنچا ہے۔ جب یہ بیس رکعات تراویح کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے بنفس نفیس ثابت ہوا۔ جمیع صحابہ کرام' تابعین' تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سلفاً و خلفاً اسی پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں تو اس کے بعد آٹھ رکعت کا قائل ہونا' بیس رکعات کو بدعت اور ناجائز کہنا خرق للاجماع ہے۔ چنانچہ علامہ بنوریؒ لکھتے ہیں وبالجملة :العشرون من التراويح و ثلاث الوتر هو الذى استقر عليه الامر أخيرا كما يقوله الشعرانى فى كشف الغمة و السيوطى فى المصابيح فمن احدث خلافاً بعد هذا الاتفاق يكون خارقاً للاجماع (معارف السنن ۵/۵۴۶)

بیس رکعات تراویح اور تین وتر پر اخیر میں استقرار (دوام) ہوا جیسا کہ علامہ شعرانیؒ نے کشف الغمۃ اور علامہ سیوطیؒ نے المصابیح میں لکھا ہے' پس جس کسی نے بھی اس اتفاق کے خلاف کہا تو اس نے اجماع کو پامال کیا۔ جب کسی روایت کو صحابہ کرام کے اجماع خلفاء راشدین کا تعامل' تابعین' تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین اور اجماع امت کا تعاون حاصل ہو تو پھر بھی صرف ایک فرد کی وجہ سے اور وہ بھی اس وجہ سے جو حقیقتاً سبب جرح بھی نہیں پورے کو ضعیف اور ناقابل احتجاج قرار دینا انصاف نہیں۔

<u>احناف کی بعض کتابوں کے بحوالہ جات کا جواب:</u> اور جو حوالہ جات آنجناب نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمائے ہیں ان کے بارے میں لکھنے سے قبل یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں درج شدہ جزئیات میں سے صرف ان جزئیات کا اعتبار کیا جاتا ہے جو فقہاء امت کے ہاں راجح ہوں یا ان کا تعلق ظاہر الروایۃ سے ہوں' اس لئے جو جزئیات ان دونوں میں سے الگ ہوں تو وہ فقہ حنفی شمار نہیں ہوگا اس لئے اگر کسی حنفی عالم نے اس قسم کی کوئی بات لکھی دی ہو وہ اس کا تفرد اور ذاتی رائے شمار ہوتی ہے' فقہ حنفی شمار نہیں ہوگی۔ محقق العصر علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اپنے منظوم کلام میں لکھا ہے۔

لہذا اس اصول کو ذہن نشین کرنے کے بعد جو حوالہ جات آنجناب نے اپنے مکتوب میں پیش کئے ہیں۔ وہ ان حضرات کی یا تو ذاتی رائے ہے اور یا انہوں نے کسی سے روایت نقل کی ہے اور آنجناب نے اس مقام کو سمجھنے کی سعی

نہیں فرمائی۔ کہ آیا واقعی یہ اس مصنف کا قول ہے بھی جس کا خط میں حوالہ دیا جا رہا ہے' اور یہ قول اس مذہب حنفی میں رہتے ہوئے کہی ہے۔ یا اس نے کسی کا حوالہ یا روایت نقل کی ہے۔

آنجناب نے کتاب الاثار کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ آپ ﷺ نے آٹھ رکعت تراویح پڑھی تھی' اور نہ اس میں رمضان کا ذکر ہے' اس لئے اسکو تراویح کی تعداد پیش کرنا نامناسب ہے۔ اس روایت کو امام محمدؒ نے باب الصلوۃ تطوعاً میں ذکر کیا ہے اس سے مراد قیام اللیل یعنی تہجد ہے جو رمضان وغیرہ رمضان دونوں میں جائز اور مستحب ہے۔

ضروری تنبیہ:

۱۔ اگر آنجناب نے اس روایت سے استدلال اس لئے کیا ہے کہ اس میں لفظ کان ذکر ہے اور کان دوام اور استقرار کے معنی میں آتا ہے تو مقصد یہ ہوا کہ یہ اس سے مراد صلوۃ تراویح ہے اور آنحضرت ﷺ رمضان میں بھی آٹھ رکعات پڑھا کرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ کان عموماً اور کلیۃ استقرار کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ موقع اور محل کے اعتبار سے اس میں دوام پایا جاتا ہے ہر وقت دوام کے لئے نہیں ورنہ پھر اس روایت کے متصل روایت کہ کان عبداللہ بن عمرؓ یصلی التطوع علی راحلتہ کا معنی ہوگا کہ عبداللہ بن عمرؓ ہمیشہ نفل سواری کے اوپر پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ آپؓ عموماً ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کیفیت آپؓ کی صرف حالت سفر میں ہوتی تھی کہ آپ سواری کے اوپر نفل پڑھتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ کان عموماً دوام کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ اور اس کے اور بھی نظائر موجود ہیں جہاں لفظ کان مضارع پر داخل ہوا مگر وہاں کسی نے دوام کا معنی نہیں لیا۔

۲۔ اسی طرح دوسرا جواب یہ ہے کہ آنجناب نے جو عبارت امام محمدؒ کی کتاب المؤطا کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ دراصل حضرت عائشہؓ کی روایت کا حصہ ہے' امام محمدؒ کا اپنا قول نہیں اور حضرت عائشہؓ کی روایت تہجد کی نماز پر محمول ہے۔

۳۔ اسی طرح امام ابن ھمامؒ کے حوالہ سے جو بات مکتوب میں نقل کی گئی ہے تو وہ ابن ھمامؒ کا اپنا اجتہاد اور تفرد ہے' اس کو علماء احناف نے قبول نہیں کیا ہے' اور میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ فقہ حنفی میں مذہب کے حوالہ سے انفرادی رائے قبول نہیں ہوتی۔ اور ابن ھمامؒ کے تفردات کے بارے میں ان کے شاگرد علامہ قاسم بن قطلوبغا فرماتے ہیں۔ تفردات شیخنا لا تقبل کہ میرے شیخ تفردات مقبول نہیں' اس لئے اس کو فقہ حنفی پر لاگو نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ اسی طرح آنجناب نے جو حوالہ عمدۃ القاری کا دیا ہے اس میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ یہ احناف کثر اللہ سوادھم یا خود علامہ عینیؒ کی رائے اور فتویٰ ہے' بلکہ علامہ صاحب تو تفصیلی بحث میں آنجناب کے حوالہ کے خلاف فرماتے ہیں

وقیل عشرون وحکاہ الترمذی عن اکثر اھل العلم فانہ روی عن عمر و علی وغیرھما من الصحابۃ وھو اصحابنا الحنیفۃ (عمدہ القاری ۱۱/۱۲۶)

تراویح کی تعداد کے بارے میں ایک رائے بیس رکعت کی ہے۔ اور اسی کو امام ترمذیؒ نے اکثر اہل العلم سے نقل کیا ہے' اسی طرح حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہے اور یہی ہمارے احناف کی رائے ہے۔

آنجناب نے کیسے آٹھ رکعت کی نسبت علماء احناف کی طرف کردی۔ اور اس کو علامہ عینیؒ کا قول اور رائے قرار دیا گیا۔

۵۔ اسی طرح یہی حال ملاعلی قاریؒ کے مرقات کے حوالہ کی ہے' اگرچہ اختلاف فی المسئلہ کے بیان میں انہوں نے آٹھ کا ذکر کیا ہے' لیکن وہاں یہ بھی فرماتے ہیں۔ لکن اجمع الصحابة علی أن التراويح عشرون ركعة (مرقات ۳/۳۸۲) کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کرام متفق ہو چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مکتوب میں درج شدہ حوالہ کی عبارت ملاعلی قاریؒ کا فتویٰ یا رائے نہیں۔

۶۔ اسی طرح آنجناب نے علامہ عبدالحیؒ کے التعلیق المجد کا حوالہ دیا ہے' اس حوالے کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے بناء بر حکایت حدیث ۱۱ رکعات نقل کی ہے لیکن اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ علامہ کی رائے ہے بلکہ علامہ صاحبؒ دونوں طرح کی روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ اذلاشک فی صحة حديث عائشة وضعف حديث ابن عباس لكن الاخذ بالراجح وترك المرجوح انما يتعين اذا تعارضا تعارضا لايمكن الجمع وههنا الجمع ممكن بأن يحمل حديث عائشة على انه اخبار عن حالة الغالب كما صرّح به الباجي في شرح الموطا وغيره ويحمل حديث ابن عباس على انه كان ذلك احياناً (التعلیق المجد علی الموطا للامام محمد ۱/۶۲۱)

حضرت عائشہؓ کی روایت کی صحت اور ابن عباسؓ کی روایت کی ضعف میں کوئی شک نہیں لیکن راجح کو لینے اور مرجوع کو ترک کرنے کا سوال تب پیدا ہوگا جب دونوں میں ایسا تعارض ہو کہ دونوں کا جمع کرنا ممکن ہی نہ ہو' اور یہاں جمع کرنا ممکن ہے وہ اس طرح کہ حضرت عائشہؓ کی روایت غالب احوال کے متعلق ہے جیسا کہ علامہ باجیؒ نے موطا کی شرح وغیرہ میں لکھا ہے' اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت أحياناً کے متعلق ہے۔

بلکہ علامہ صاحب اپنی دوسری تصنیف میں فرماتے ہیں: قلت اكتفاء النبي ﷺ على ثمان ركعات في التهجد' لو ثبت انه لم يزد عليه شيئاً في وقت ما' ليس من قبيل التحديد الالتزامي' بحيث لايجوز الزيادة عليه فكيف وقد قال النبيؐ الصلاة خير موضوع فمن شاء فليقلل ومن شاء فليستكثر فلما جازت الزيادة و واظب على الزيادة الخلفاء كانت سنة بالنسبة الينا لا مرلزوم سنتهم (تحفۃ الاخبار باحیاء سنۃ السید الابرار ۔ص ۱۲۷)

میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کا آٹھ رکعات پر اکتفاء کرنا تہجد میں تھا' البتہ اگر ثابت ہوجائے کہ

آنحضرت ﷺ نے (رمضان میں) آٹھ رکعات پر کسی بھی وقت زیادتی نہیں کی تو یہ تحدید التزامی نہیں جس پر زیادتی جائز نہ ہو اور یہ عدم جواز کیسے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ نماز بہترین عمل ہے، جو چاہیے اس میں کمی کرے اور جو چاہیے زیادہ پڑھے۔ جب نماز کی تعداد رکعات میں زیادتی جائز ہے اور خلفاء راشدین نے (رمضان میں اس پر زیادتی کرتے بیس رکعات) پر مواظبت کی تو ہمارے لئے خلفاء راشدین کی تعداد سنت ہے اس لئے کہ ان کی سنت پر عمل کرنے کے لزوم کا حکم ہو چکا ہے۔

اور حدیث ابن عباس پر بحث کرتے ہوئے خود علامہ صاحب فرماتے ہیں۔

لایقال ھذا حدیث غیر مقبول کما صرّح به ائمة الفن علی ماسبق ذکره لانا نقول لم یصرّح احد منهم بانه موضوع بلی غایة ماقیل انه حدیث منکر و المنکر لیس من اقسام الموضوع بل هو من اقسام الضعیف ولیس کل ضعیف ولا کل منکر کالموضوع الذی لایحل نقله و التایید به (تحفۃ الاخبار باحیاء سنۃ سید الابرار ص ۱۲۷)

اور نہ یہ کہا جائے کہ یہ حدیث مقبول نہیں جیسا کہ ائمہ الفن نے تصریح کی ہے جس کی تفصیل پہلے ذکر ہو چکی ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ ان ائمہ میں سے کسی نے بھی اس روایت کو موضوع نہیں کہا ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ انہوں نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ اور منکر موضوع کے اقسام میں سے نہیں بلکہ منکر ضعیف کے اقسام میں سے ہے اور نہ ہر ضعیف موضوع کے مانند ہے اور نہ ہر منکر جن کا نقل اور ان سے تائید حاصل کرنا جائز نہیں ہو۔

علامہ صاحب کے مذکورہ بالا عبارات اور تصریحات سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ علامہ صاحب نہ خود آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہے اور نہ وہ آٹھ رکعات احناف کا مذہب قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ہدایۃ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ آٹھ رکعت پڑھنے والا سنت موکدہ کا تارک ہے (حاشیہ ھدایہ ۱/۱۰۱)

۷۔ اسی طرح یہی حال آنجناب کے العرف الشذی کے حوالہ کا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اگرچہ آٹھ رکعات کا ذکر العرف الشذی میں کیا ہے مگر اس میں یہ کہیں نہیں کہ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ذاتی رائے یا انہوں نے اس کو احناف کی طرف منسوب کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے تو آٹھ رکعات پر اکتفا کرنے والوں کو سخت الفاظ سے یاد فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: و اما من اکتفی بالرکعات الثمانیة و شذ عن السواد الاعظم وجعل ترمیهم بالبدعة فلیر عاقبته (فیض الباری ۳/۱۸۱)

کہ جو آٹھ رکعات پر اکتفا کرتا ہے تو گویا اس نے سواد اعظم سے علیحدگی اختیار کی اور جو ان کو (بیس رکعات تراویح کے قائلین) کو بدعتی کہتے ہیں وہ اپنی عاقبت (انجام) کو دیکھ لے۔

علی ھذا القیاس یہی حال ان حوالجات کا بھی ہے جو آنجناب نے مکتوب میں احناف کا مذہب ظاہر کرتے ہوئے تحریر

فرمائی ہے ان میں سے کوئی بھی ذاتی طور پر اور مذھباً آٹھ رکعات تراویح کا قائل ہے اور اگر بالفرض کوئی ہو بھی تو وہ اس کی ذاتی انفرادی رائے ہوگی' مذہب کیساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں' انکی ذاتی رائے کو ہم جمہور کی رائے اور ترجیح کے مقابل بلاضرورت نہیں قبول کر سکتے' ان وضاحتوں کے باوجود یہ بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ کتاب میں کسی عبارت کو نقل کرنے اور اپنے مذہب کے خلاف قول کی حکایت کرنے سے یہ ہرگز لازم نہیں کہ یہ رائے ناقل کی ذاتی یا اس کے مسلک کا مفتی بہ قول ہے۔ ورنہ اگر کسی قول کا نقل کرنا ناقل کی ذاتی رائے یا مذہب تصور کیا جانا صحیح ہو پھر تو غیر مقلدین حضرات کی کتابوں میں اس قسم کے اقوال و آراء بہت سارے ہیں جو ان کی رائے کے خلاف ہیں وعلی القیاس۔

اس لئے یہ واضح ہو کہ آٹھ رکعات تراویح نہ صحابہ کرامؓ کا مذہب رہا ہے اور نہ اسلاف و اخلاف کا اور نہ مذاہب اربعہ میں سے کوئی آٹھ رکعات کا قائل ہے۔ بلکہ یہ آٹھ رکعات تہجد کی نماز ہے جو آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھا کرتے تھے اگر اس کو تراویح قرار دیا ہے تو تراویح تو صرف رمضان میں ہوا کرتی ہے' غیر رمضان میں نہیں ہوتی جبکہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں رمضان اور غیر رمضان دونوں میں آٹھ رکعات کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہؓ کی یہی تصریح واضح کرتی ہے کہ اس روایت کا تعلق قیام اللیل (تہجد) کے ساتھ ہے۔ اور تراویح الگ نماز جس کی تعداد آنحضرت ﷺ کے عمل مبارک سے جو بروایت عبداللہ بن عباس ذکر ہوا اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام' تابعین کے تعامل سے بیس رکعات ثابت ہے۔

آخر میں اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق بات سمجھنے' حق بولنے' اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو تعصب' عناد' اور زیغ وضلال سے محفوظ و مامون رکھے۔ (امین) اس کے علاوہ الفاظ' تعبیر اور تحریر کی غلطی کا معذرت خواں ہوں۔

وھوالموفق

(مفتی) ابوطلحہ مختار اللہ حقانی

خادم دارالافتاء والتدریس بجامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۲/ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

نوٹ

قارئین : ایڈیٹر ''الحق'' کا نیا ای میل ایڈریس نوٹ فرمالیں:

Email : editor_alhaq@yahoo.com

مکتوب بنگلہ دیش
مولانا نور محمد عباس
مدیر "معہد الفاروق الاسلام" بنگلہ دیش

روہنگیا مظلوم قوم کی حالتِ زار

ٹھیکناف علاقوں میں روھنگیا بستیوں پر دہشت گردوں کے حملوں میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے ہیں جن میں سے ایک خاتون شہید ہوئی۔ گزشتہ ماہ دہشت گردوں کے حملوں میں روہنگیا پناہ گزینوں پر حملوں کے نتیجہ میں (۱۵) افراد زخمی ہو گئے تھے۔ حال ہی میں دہشت کے دو دن کے حملوں میں زخمیوں کی تعداد مزید بڑھ گئی ہے۔ جس کی وجہ سے پناہ گزینوں میں افراتفری پھیل گئی ہے۔ ارکان برما کی طرف سے روہنگیا مظلوم کے افراد ٹھیکناف علاقوں میں سکونت پذیر ہیں۔ ان کو ٹھیکناف کے ابوصالح نے احاطہ کر رکھا ہے۔ اب یہ روہنگیا مسلمانوں کی مستقل بستیاں بن گئی ہیں۔ جن میں تقریباً ۵ ہزار روہنگیا موجود ہیں۔ رپورٹر کی اطلاع ہے کہ ٹھیکناف کے روہنگیا بستیوں میں پانی کی سپلائی کے لئے جو ٹیوب ویل نصب کیا گیا تھا' دہشت گردوں کے ہاتھوں چوری ہوا۔ چوری کے اس معاملہ کی ٹھیکناف پولیس کے پاس رپورٹ درج کی گئی۔ پولیس نے دو افراد کو گرفتار کر کے بند کر دیا۔ کچھ دنوں بعد دونوں گرفتار شدہ افراد کو ضمانت پر رہائی ملی جس کے بعد یہی لوگ پناہ گزینوں کے کیمپ میں آ کر دندناتے پھرتے ہیں اور دھمکیاں دیتے رہتے ہیں اور دہشت گرد گروپوں کے ساتھ مل کر روہنگیا بستیوں پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ دہشت گردوں کے ۹ جون کے حملے میں ۲۰ افراد زخمی ہوئے تھے جس میں ۳۵ سالہ خاتون ظہورہ بیگم نے شہادت پائی پھر ۱۰ جون کو پناہ گزینوں پر نماز فجر کے بعد دہشت گردوں کے حملہ میں متعدد افراد بشمول خواتین زخمی ہوئے۔ جن میں چند ایک کے نام یہ ہیں۔

ہاشم اللہ۔ سلیم اللہ۔ کمال۔ ستارہ بیگم۔ یعقوب۔ محمد سلیم۔ جمیل۔ علی احمد۔ حبیب اللہ۔ محمد یوسف۔

آج جتنے پناہ گزین بھی روہنگیا بستیوں میں وقت گزار رہے ہیں۔ ان سے دہشت گرد گروپوں کے لوگوں کی وجہ سے سخت ظالمانہ سلوک برتا جا رہا ہے۔ ان کو باہر جا کر کاروبار کرنے سے بالکل درماندہ کر دیا گیا ہے۔ ان کو کھانے پینے میں مشکلات کا سامنا ہے افسوس کہ ابھی تک محکمہ پولیس نے دہشت گردوں کو روکنے کے لئے کوئی حکمتِ عملی اختیار نہیں کی۔ اور عالم اسلام اور مسلم تنظیمیں بھی مسلسل روہنگیا کے مسلمانوں کو نظرانداز کر رہے ہیں۔ اس کسمپرسی میں آخر ہم فریاد لے کر کس کے پاس جائیں؟ اور کس کو مدد کے لئے پکاریں؟

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب وروز

دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا آغاز: الحمدللہ ۲۲ شوال بمطابق ۶ دسمبر ۲۰۰۴ء کو دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا۔ دارالعلوم کے تمام اساتذہ، مشائخ وطلباء ایوان شریعت (دارالحدیث) کے وسیع وعریض ہال میں جمع تھے۔ پہلے اجتماعی طور پر قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا اور پھر اس کے بعد حضرت مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے درس حدیث ترمذی سے باقاعدہ اسباق کا آغاز کیا۔ اس موقع پر آپ نے طلباء سے فضیلت علم، علماء کی ذمہ داریاں، پابندی اوقات اور موجودہ نئے حالات میں دینی مدارس اور علماء و طلباء کو درپیش نئے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لئے بھرپور علمی تیاریوں کے بارے میں نصیحت آموز اور سیر حاصل خطاب فرمایا۔ پھر نائب مہتمم حضرت مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ نے مختصر اور جامع خطاب فرمایا۔ اور دارالعلوم کے قواعد وضوابط پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور طلباء کو اس پر عمل درآمد کی تلقین کی۔ آخر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب نے اختتامی دعا فرمائی۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے بیرون اسفار: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں عمرے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے حرمین شریفین تشریف لے گئے اور آپ نے عمرہ ادا کیا۔ اور مقامی علماء اور مشائخ سے ملاقاتیں کیں۔ اسی طرح نائب مہتمم حضرت مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ بھی آخری دنوں میں عمرے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ وطن واپس آنے کے بعد لیبیا بھی تشریف لے گئے اور ۲۷ سے ۲۹ نومبر تک طرابلس میں منعقدہ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس جو کہ جمعیت الدعوۃ کے زیر اہتمام منعقد ہوئی تھی اس میں آپ نے شرکت کی۔ اور دنیا بھر کے علماء ومشائخ اور سکالروں سے تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ آپ نے لیبیا کے صدر قذافی سے بھی علماء کے ہمراہ ملاقات کی۔ واپسی پر آپ نے دوبئی میں بھی دو روز قیام کیا اور وہاں کے بعض شیوخ سے شیخ زاید مرحوم کے لئے تعزیت کی۔ اور مختلف علمی تقاریب میں بھی آپ نے شرکت کی۔

برطانوی سفارتکاروں کی دارالعلوم آمد: گزشتہ ہفتے برٹش ہائی کمیشن اسلام آباد کے اعلیٰ نمائندے جامعہ حقانیہ تشریف لائے اور آپ نے مدیر ''الحق'' مولانا راشد الحق سمیع حقانی سے ان کی رہائش گاہ پر تفصیلی ملاقات کی۔ ان میں پولیٹیکل کونسلر مسٹر ٹِم وائس اور نئے پولیٹیکل آفیسر ایلکس کول اور پروٹوکول آفیسر محترمہ حمیرا صاحبہ شامل تھیں۔ انہوں نے عالمی حالات اور خصوصاً پاکستان کی سیاست پر ان سے مکالمہ کیا۔ مدیر ''الحق'' نے ان کو مدارس کی اہمیت اور تعلیمی نصاب کے بارے میں آگاہ کیا۔

مدیر کے قلم سے

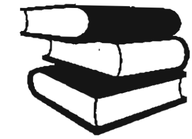

تعارف تبصرہ کتب

کتاب: تطبیق الآیات (اردو)　　　مؤلف: مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی

ضخامت: ۳۵۸ صفحات　　　قیمت: درج نہیں

ناشر: جامعہ عثمانیہ، صدر نوتھیہ روڈ پشاور

بعض قرآنی آیات کے درمیان تضاد اور تعارض مفسرین کے ہاں ایک معرکۃ الآراء مسئلہ چلا آ رہا ہے گو کہ حقیقت میں ان کے درمیان کوئی متضاد و تعارض و تناقض نہیں۔ کیونکہ دو آیات کے درمیان تعارض حقیقت میں حالات سے ناواقفی یا عجز کا نتیجہ ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس قسم کے عجز سے منزہ اور پاک ہے تعالیٰ عن ذالک علوا کبیرا۔ تاہم پھر بھی بسا اوقات کم علمی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے تعارض کا شبہ سامنے آتا ہے مگر علماء کرام اور ماہرین فن نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب حضرت مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب کی علوم القرآن پر ایک اور پر مغز اور بہترین تصنیف ہے جو کہ تطبیق الآیات کے عنوان سے معنون ہے اس سے قبل ''وجوہ التکرار فی القرآن'' علمی حلقوں میں پذیرائی اور خراج تحسین پا چکی ہے۔ یہ قرآنی علوم کے ساتھ آپ کی والہانہ عقیدت، محبت اور گہرے تعلق کی بین دلیل ہے، زیر نظر کتاب میں موصوف نے معتمد عربی تفاسیر کا سہارا لے کر متعارض آیات اور ان کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں کافی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مؤلف کتاب مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے علم میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ارشادِ باری ہے وسع کل شئی علما اللہ تعالیٰ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات کا تعارض دراصل انسان کے ناقص علم کا تعارض ہے جس کا محل کلام الٰہی نہیں بلکہ اس جھول انسان کا ذہن ہے جن آیات میں ایک مفسر تطبیق اور توفیق پیدا کرتا ہے اس کا محل بھی خود اس کا ذہن ہے اس کے ذہن میں تعارض آیا اور اس کے ذہن میں تطبیق آ گئی۔ جن حضرات کا علم و تقویٰ وسیع اور زیادہ ہو ان کو آیات میں تعارض محسوس نہیں ہوتا۔ مثلاً مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں ''نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض محسوس نہیں ہوتا ہر نص اپنے محل اور محمل پر چسپاں نظر آتی ہے۔''

مؤلف کتاب نے تفاسیر معتبرہ سے بظاہر متعارض آیات کی تطبیق کی ایک کامیاب کاوش کی ہے، امید ہے کہ وجوہ التکرار فی القرآن کی طرح اس کتاب کا بھی اہل علم بھرپور خیر مقدم کریں گے۔

اندرون از طعام خالی دار تا بینی

نُورِ معرفت

رُوحِ رمضان یہ ہے کہ روزہ دار اپنے اندرون (شکم) کو خالی رکھتے تاکہ فکر و نظر اور قلب و ضمیر اللہ تعالیٰ کی پہچان کے نور سے مُنوّر رہیں ۔ تکثیرِ عبادت کے لیے تقلیلِ غذا ضروری ہے ۔ اس سے روحانی صحت حاصل ہوتی ہے اور جسمانی صحت بھی ۔ بلندیٔ فکر یہ ہے کہ ماہِ برکات و مقدس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد پر توجہ رہے۔ اپنی ذات کی نفی سے خدمت کا اعلا مرتبہ و مقام حاصل ہو جاتا ہے اور پھر درجاتِ انسانی معراج پاتے ہیں ۔

مدینۃ الحکمہ کے باغِ ہمدرد میں کاشت کردہ نباتات سے تیار شدہ "تن سُکھ" صحت اور توانائی کا ایک لطیف ذریعہ ہے ۔

افطار : پانچ چھوٹے چمچے برابر تن سُکھ پانی میں ملا کر افطار کیجیے ۔ خوش ذائقہ اور لطیف تن سُکھ ایک بہترین افطاری ہے ۔

سحر : پانچ چھوٹے چمچے برابر تن سُکھ دودھ یا پانی میں ملا کر نوشِ جاں کیجیے ۔

تن سُکھ

توانائی کا ایک لطیف ذریعہ

ہمدرد نے عالمی مشروب رُوح افزا اور تن سُکھ بنایا

ہمدرد

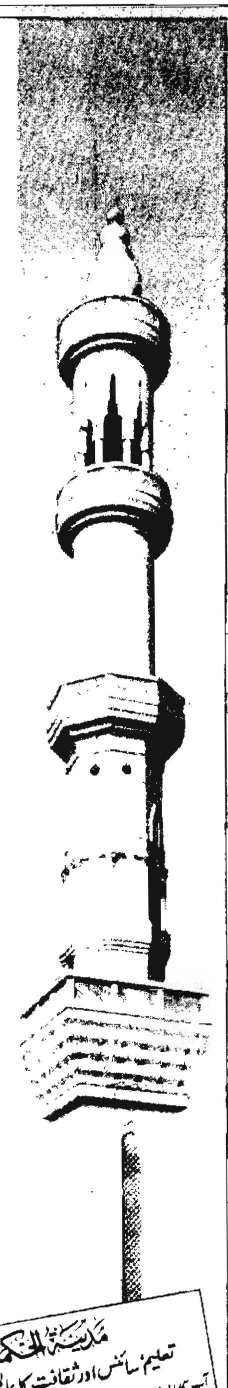

مدینۃ الحکمہ

تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ ۔

آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

حق تعالیٰ جلّ شانہٗ پاکستان کو مستحکم و دائم فرمائیں ۔ عظمتیں اور رفعتیں عطا فرمائیں ۔

آپ کا ہمدرد ــــ ملک و ملت کا ہمدرد ــــ پاکستان کا ہمدرد

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے :
www.hamdard.com.pk

darts-HTS-14/97(R)

القاسم اکیڈمی کی عظیم تاریخی اور انقلابی پیشکش

اکیسویں صدی کی پہلی جنگ

معرکہ صلیب وطالبان

صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام

طالبانِ افغانستان کے تناظر میں

جہادِ افغانستان، تحریکِ طالبان، ملا محمد عمر، اسامہ بن لادن، جہاد اور دہشت گردی، نظامِ شریعت سے مغرب کا بے جا خوف، دینی مدارس بالخصوص دارالعلوم حقانیہ، اسلام کے بارے میں مغرب کی لاعلمی اور غلط فہمیاں، امریکی اور مغربی دنیا کے عزائم اور مسلم امۃ پر جارحانہ یلغار، سقوط بغداد مسئلہ فلسطین وکشمیر اور پاکستان کی ایٹمی صلاحیت جیسے اہم وحساس وقومی وبین الاقوامی موضوعات کے تناظر میں عالمی اور مغربی میڈیا سے مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا دوٹوک مکالمہ

انٹرویوز

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ

مرتب

مولانا عبدالقیوم حقانی

صفحات 520

قیمت 240

معاون

مولانا عرفان الحق حقانی

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوھریرہ خالق آباد ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

مطبوعات موتمر المصنفین

نمبر شمار	نام کتاب	تصنیف	افادات	صفحات
۱	حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ	حضرت مولانا سمیع الحق	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ	۵۳۶
۲۔	دعوات حق ۔ (مکمل دو جلد)	" " "	" " " " "	۱۱۹۲
۳۔	قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ	" " "	" " " " "	۴۰۰
۴۔	عبادات و عبدیت	" " "	" " " " "	۸۸
۵۔	مسئلہ خلافت و شہادت	" " "	" " " " "	۱۰۴
۶۔	صحبتے با اہل حق (مجلد)	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۴۰۸
۷۔	اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	حضرت مولانا سمیع الحق	حضرت مولانا سمیع الحق	۳۶۰
۸۔	قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	" " "	" " " " "	۹۶
۹۔	کاروان آخرت (مجلد)	" " "	" " " " "	۴۴۶
۱۰	شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ خصوصی نمبر	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۱۲۰۰
۱۱۔	قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	حضرت مولانا سمیع الحق	" " " " "	۲۰۸
۱۲	قادیان سے اسرائیل تک	" " "	" " " " "	۲۲۴
۱۳۔	قومی اور ملی مسائل پر جمعیت کا موقف	" " "	" " " " "	۔
۱۴۔	میری علمی اور مطالعاتی زندگی (مجلد)	" " "	" " " " "	۵۶۰
۱۵۔	روسی الحاد	" " "	" " " " "	۲۲۰
۱۶۔	فتاویٰ حقانیہ	مولانا مفتی مختار اللہ	حضرت شیخ الحدیث و مفتیان حقانیہ	۳۶۰۰
۱۷۔	خطبات حق	" " "	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۵۰
۱۸	نظام اکل و شرب	" " "	" " " " "	۴۵۰
۱۹۔	صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۵۰۰
۲۰۔	شرح شمائل ترمذی		" " " " "	زیر طبع
۲۱	مروجہ کرنسی کیلئے معیار نصاب سونا یا چاندی			زیر طبع